ایک علمی تحریک کا دینی، علمی، فکری، ادبی اور اصلاحی ترجمان

ندائے اعتدال

اکتوبر ۲۰۱۶ء

ایڈیٹر

ڈاکٹر محمد طارق ایوبی ندوی

فہرست مضامین

۱۔	قرآن کا پیغام	وہ جس کی خود خدائے پاک کرتا ہے نگہبانی	حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی	
۲۔	اداریہ	میڈیا کا کھیل اور سپریم کی نادانی	مدیر	۳
۳۔	خاص تحریر	وہ بات خطبہ عرفات میں جس کا ذکر نہ تھا	پروفیسر محسن عثمانی ندوی	۸
۴۔	پیام سیرت	قوت برداشت......دعوت کی جان	محمد فرید حبیب ندوی	۱۲
۵۔	خصائص و امتیازات	امت محمدیہ، خصوصیات و امتیازات (قسط-۷)	محمد قمر الزماں ندوی	۱۴
۶۔	فقہ اسلامی	تبدیلی فتوی پر حالات کا اثر	مفتی رحمت اللہ ندوی	۱۹
۷۔	فکر اسلامی	مفکر اسلام-ایک مطالعہ (قسط-۷)	ڈاکٹر محمد طارق ایوبی ندوی	۲۵
۸۔	لمحۂ فکریہ	فرقہ پرستی اور اس کا تدارک	ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی	۳۰
۹۔	یوم عاشورا	محرم الحرام-غور وفکر کے چند پہلو	فرید حبیب ندوی	۳۴
۱۰۔	تحقیقات	حضرت تھانوی کا ایک گمنام مجموعہ افادات	طلحہ نعمت ندوی	۳۷
۱۱۔	نقطۂ نظر	عصر حاضر اور جہاد	مولانا یحییٰ نعمانی	۴۰
۱۲۔	نقد و استدراک	کیا عصر حاضر میں جہاد کی ضرورت ہے؟	سید نور العارفین	۴۷
۱۳۔	ادبی تنقید	نغمۂ نور	ڈاکٹر رئیس احمد نعمانی	۵۳
۱۴۔	تعارف و تبصرہ	حدائق الریحان	ڈاکٹر محمد طارق ایوبی ندوی	۶۱
۱۵۔	آخری صفحہ	یہ احساس کس قدر گمراہ ہے!-توبہ	م-ق-ن-	۶۳
۱۶۔	شعر و ادب	زعیم مصر حسن البناؒ......شہید ملّت	ماہر القادریؒ	

❁❁❁

نوٹ: مضمون نگار کی رائے سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔عدالتی چارہ جوئی علی گڑھ کی ہی عدالت میں ہوسکتی ہے۔

اداریہ

میڈیا کا کھیل اور سپریم کورٹ کی نادانی

ملک اس وقت متعدد مسائل سے دوچار ہے، مہنگائی آسمان چھورہی ہے، گئوکشی کے نام پر بھگوا دہشت گردی شباب پر ہے، کشمیریوں پر عرصۂ حیات تنگ ہے، اقلیتیں خوف وہراس میں مبتلا ہیں، وزیراعظم کو آسمان کی سیر سے ہی فرصت نہیں، مگر بے ضمیر میڈیا کے پاس صرف ایک ہی مسئلہ رہ گیا ہے ''تین طلاق''، ہندوستان کی تاریخ میں یہ مسئلہ کئی بار گرما گرم بحث کا موضوع بنا، یہ واقعہ کوئی پہلی بار نہیں پیش آیا ہے، تین طلاق کے سلسلہ میں متعدد درخواستیں عدالت عظمی میں داخل کی گئیں، سپریم کورٹ نے بہر حال یہ نادانی کی ایک بار پھر حکومت ہند کو جواب داخل کرنے کا نوٹس بھیج دیا، ادھر مسلم پرسنل لا بورڈ کو بھی حلف نامہ داخل کرنے کے لئے کہا ہے، مسلم پرسنل لا نے حلف نامہ داخل بھی کردیا اور دوٹوک انداز میں واضح کردیا کہ ہمارے عائلی قوانین قرآن وحدیث سے مستنبط ہیں، ان میں تبدیلی کا قطعی کوئی امکان نہیں، یہی موقف ہونا چاہیے اور یہی صحیح بھی ہے کہ ایک مسلمان ہر ماحول میں اپنے عائلی قوانین پر عمل کرنے کا پابند ہے اور دستور ہند میں بھی یہ سہولت تمام مذاہب کے لیے رکھی گئی ہے، حکومت ہند کو ابھی اور مہلت دی گئی ہے اپنا جواب داخل کرنے کے لئے، دیکھنا یہ ہے کہ ہندتو کی علمبردار یہ حکومت کیا جواب داخل کرتی ہے، ہونا تو یہ چاہیے کہ وہ جمہوری دستور کے مطابق اسے مسلمانوں کا عائلی مسئلہ قرار دے، لیکن ممکن ہے کہ ایک بار پھر اس کی آڑ میں وہ یکساں سول کوڈ کا راگ الاپنے لگے، البتہ میری نظر میں ہندوستان جیسے کثیر ثقافتی اور مختلف المذاہب ملک میں یکساں سول کوڈ کا نفاذ اس قدر آسان بھی نہیں، خود ہندوؤں کے مابین مذہبی قوانین میں ایسی تفریق ہے جو برہمن کبھی ختم نہیں کرنا چاہے گا، برہمن ''منووادی'' ہے، ''منواسمرتی'' ہوتے ہوئے وہ یکساں سول کوڈ کیسے قبول کر پائے گا جبکہ اس سے اس کی پہچان ہی ختم ہوجائے گی، یہ الگ بات کہ وہ یکساں سول کوڈ کے نام پر منوواد کو تھوپنے کی ٹھان لے، لیکن اب دلت بھی اس قدر پست نہیں رہ گیا کہ وہ منوواد یا یونیفارم سول کوڈ کو آسانی سے قبول کرلے۔

ظاہر ہے کہ یہاں ہمیں تین طلاق کے متعلق کوئی فقہی بحث نہیں کرنی، اس سلسلہ میں جو کچھ کہنا تھا وہ پرسنل لا بورڈ نے کہہ دیا اور وہی حرف آخر ہے، بورڈ ملت اسلامیہ کا ترجمان اور شریعت اسلامی کا امین و پاسبان ہے یہاں سوال یہ ہے کہ ''تین طلاق'' کا یہ مسئلہ بار بار کیوں گرم ہوتا ہے، اسے سپریم کورٹ تک پہنچنے کی نوبت کیوں آتی ہے اور پھر میڈیا اپنی بدکرداری کا ثبوت دیتے ہوئے اس کو ایک مسئلہ Issue بناتا ہے، پھر جاوید اختر جیسے لوگ اسکرین پر آتے ہیں اور پرسنل لا کو مسلمانوں کا دشمن بتاتے ہیں، لیکن ہمیں اس پر کوئی حیرت نہیں ہوتی اس لیے کہ ان جیسے لوگ اس سے زیادہ اور کہہ کیا سکتے ہیں، جن کی زندگی ناچنے، مٹکنے، تھرکنے اور رقص وسرور، شباب وشراب کی محفلیں گرم کرنے میں گزری، جنھوں نے کبھی اپنے آپ کو پرسنل لا کے بندھن میں نہیں باندھا، حیرت ان لوگوں پر ہوتی ہے جو جاوید اختر جیسے لوگوں کے نام سے ان کے مسلمان ہونے کا دھوکہ کھاتے ہیں، ناچنے

گانے والا اگر کسی مریض کے مرض کی تشخیص کر کے اسے نسخہ لکھ دے تو جھولا چھاپ ڈاکٹر کہا جائے گا اور دائر کرنے والا اس پر مقدمہ دائر کرے گا، مگر وہی شخص اگر مسلمانوں کے مذہبی مسائل میں سنگھ پریوار کی زبان بول دے تو اسے دانشور سمجھا جائے گا، اسی کے ساتھ مجھے اس پر بھی بڑا تعجب ہوتا ہے کہ ہماری طرف سے جو لوگ ٹیلی ویژن مذاکرہ (T.V.Debate) میں حصہ لینے کے لئے جاتے ہیں وہ غالبا اس کے اہل نہیں ہوتے، مگر دولت کی ریل پیل اور جذبۂ خودنمائی انہیں اسکرین تک پہنچا دیتا ہے، وہاں مسائل کے علم سے زیادہ عقل کے استحضار اور الزامی جواب کی صلاحیت درکار ہوتی ہے، اگر کوئی اس سے عاری ہو تو پھر سبکی پوری ملت کی ہوتی ہے اگر چہ جواب ایک شخص نہیں دے پاتا۔

واقعہ یہ ہے کہ ہم نے اپنے حصہ کا بہت کام کیا ہے، لیکن بہت سے کام اب بھی باقی ہیں، صرف اگر طلاق کو لے لیجئے تو مسلمانوں کی اکثریت بلکہ میری نظر میں ۹۰ فیصد لوگ طلاق کا مفہوم یہ سمجھتے ہیں کہ جب تک تین مرتبہ ''طلاق طلاق طلاق'' کے الفاظ منہ سے نہ نکلیں طلاق ہی نہیں ہوتی، یقیناً طلاق ایک معاشرتی ضرورت ہے، طلاق کا راستہ، عورت پر ظلم کرنے، اسے معلق رکھنے، اس کا استحصال کرنے اور کچھ سوسائٹیوں میں اسے قتل کر دینے سے بہتر ہے، مگر اس ضرورت کی نزاکت، اس کا طریقہ اور اس میں پائی جانے والی آسانیوں کے ساتھ ساتھ طلاق کے متعلق خدا ورسول کے فرمودات سے تو لوگوں کو واقف ہونا چاہیے، طلاق اللہ کے نزدیک حلال اشیاء میں سب سے ناپسندیدہ ہے۔ حدیث میں آتا ہے ولا خلق الله شيئا على وجه الارض ابغض إليه من الطلاق (دارقطنی) اور تین طلاق کی بابت تو یوں فرمایا وعن محمود بن لبيد قال أخبر رسول الله ﷺ عن رجل طلق امرأته ثلاث تطليقات جميعا فقام غضبان ثم قال أيلعب بكتاب الله عز وجل وانا بين أظهركم حتى قام رجل فقال يا رسول الله الا اقتله (نسائی)

حضرت محمود بن لبید کہتے ہیں کہ جب رسول گو اس شخص کے بارے میں خبر دی گئی جس نے اپنی بیوی کو ایک مجلس میں تین طلاقیں دی تھیں تو آپ غضبناک ہو کر کھڑے ہو گئے اور فرمایا کہ کیا اللہ کی کتاب کے ساتھ کھلواڑ کیا جا رہا ہے حالانکہ میں تمہارے درمیان موجود ہوں، یہ سن کر مجلس میں موجود صحابہ میں سے ایک صحابی نے کہا یا رسول اللہ کیا میں اس شخص کو قتل کر دوں۔

اندازہ کیجئے کہ ایک مرتبہ میں تین طلاق دینا کس قدر خطرناک اور موجب غضب خداوندی اور موجب غضب رسول ہے، لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ تین طلاق ایک مرتبہ میں دی جائے تو تین ہی پڑیں گی، یہی فیصلہ ہے حضرت امام ابوحنیفہ و مالک و احمد و شافعی رحمہم اللہ کا، باوجود اس کے کہ یہ حضرات بھی ایک مجلس میں تین طلاق کو بدعت و حرام کہتے ہیں، اس دور میں بھی ہمارے ہندوستانی علماء نیز سعودیہ کے سرکردہ علماء کی جماعت (هيئة كبار العلماء) کا بھی یہی فیصلہ ہے جو ائمہ اربعہ رحمہم اللہ کا ہے۔

کون سا مذہب اور کون سا معاشرہ ہے جہاں میاں بیوی کے درمیان تفریق کی نوبت نہیں آتی، اگر مسلم معاشرے میں بھی آتی ہے تو کون سی آفت ہے، قرآن مجید نے بہت حکمت کے ساتھ وضاحت فرمائی ہے، عورت سرکش ہو جائے، اس کی زبان درازی حد سے تجاوز کر جائے، ترش مزاجی حد سے گزر جائے، فرمایا گیا کہ ان کو نصیحت کی جائے، سمجھایا جائے، ممکن ہے خاندانی شرافت اور نسبی نسبت وغیرہ کے نتیجہ میں تنبیہ کارگر ہو جائے، اگر نہ بھی ہو تو سمجھانے میں دس پندرہ روز تو گزر ہی جائیں گے، پھر بات نہ بنے تو حکم ہے کہ شوہر اسے اپنے بستر سے الگ کر دے، ایک شریف عورت کے لیے یہ مرحلہ بہت اذیت ناک ہے کہ اس کا

شوہر اسے بستر پر نہ آنے دے؟ اگر پھر بھی بات نہ بنے اور شرافت کا معیار کچھ زیادہ ہی گر گیا ہو تو حکم ہے کہ ''مارا جائے'' مگر بہ اجماع مفسرین اس ''مارنے'' سے مراد تعذیب نہیں صرف تادیب ہے، عورت کو یہ احساس دلانا مقصد ہے کہ شوہر کو اس کی حرکت حد درجہ بری لگی ہے اور شدید طور پر ناراض ہے، اس کا رویہ شوہر کے لیے ناقابل برداشت ہو گیا ہے، انسانی شرافت عورت پر یوں بھی ہاتھ اٹھانے سے مانع ہے مگر اگر ہاتھ اٹھ جائے تو بھی تعذیب سے اور حدیث میں صراحت کے ساتھ چہرے پر مارنے سے منع کیا گیا، یہاں تک پہنچتے پہنچتے ہفتے اور مہینے گزر جائیں گے اس دوران ممکن ہے کسی نہ کسی مرحلہ پر آ کر عورت کی سمجھ میں آجائے کہ زندگی تو تلخ ہوتی جارہی ہے، اسے خوشگوار بنانے کے لئے اب ہوش میں آجانا چاہیے، پھر بھی اگر وہ ہوش میں نہ آئے تو حکم دیا گیا کہ دونوں کے خاندان سے ایک یا ایک سے زائد ایسے مخلص افراد پر مشتمل لوگوں کو سمجھانے کے لئے کہا جائے جو واقعی معاملہ کا تصفیہ چاہتے ہوں، اس لیے کہ بسا اوقات معاملہ دوسروں کے سبب زیادہ خراب ہو جاتا ہے، اس صورت میں تو خدا تعالیٰ نے یہاں تک فرمادیا ان یریدا اصلاحا یوفق الله بینهما اگر دونوں صلح وصفائی اور تصفیہ کا ارادہ کرلیں تو اللہ اپنی جانب سے، اپنے فضل سے ان کے درمیان اتفاق پیدا فرمادے گا، ظاہر ہے کہ ان مراحل سے گزرنے میں ایک مدت لگے گی اور بہت امکان ہے کہ بات بن جائے، پھر بھی نہیں بنتی تو مرد کو حق ہے کہ طلاق دے دے، لیکن طلاق دینے کے لئے احسن طریقہ اپنائے یعنی ایسے طہر (پاکی کی حالت) میں طلاق دے جس میں جماع نہ کیا ہو، اب اگر واقعی دونوں ایک ساتھ رہنا چاہتے ہیں اور عقل ٹھکانے آجاتی ہے، تو عدت مکمل ہونے سے قبل رجعت کا دروازہ کھلا ہے، عدت گزر جائے اور زندگی کے کسی موڑ پر بھی ضرورت محسوس ہو تو پھر نکاح کیا جا سکتا ہے، آخر تفریق کے لیے تین طلاق کی ضرورت کہاں پیش آئی؟؟؟ وہ پیش ہی اس لیے آتی ہے کہ جاہل انسان طلاق کی کراہت، عورت کے احترام اور اس سے اپنے تعلقات کی نزاکت کی بابت نہ جانتا ہے، نہ سوچتا ہے، تین طلاق کی کراہت اور رسول اللہ کے نزدیک اس کی ناپسندیدگی سے تو اکثریت واقف نہیں، سوچیے ذرا اگر لوگوں کو عورت کے حقوق، اس کے احترام، اس کی قربانیوں سے واقف کرانے کے ساتھ ساتھ اصلاح و تصفیہ اور پھر تفریق کا یہ طویل المیعاد طریقہ (Long Term Process) سمجھایا جائے تو اس مسئلہ پر کس قدر قابو پایا جا سکتا ہے، آپ غور کیجئے کہ عورت کے مسئلہ میں قرآن نے کس کس پہلو سے لوگوں کو سمجھایا ہے، کیا مردوں کو اس سے واقف نہیں کرانا چاہیے۔ زمانہ جاہلیت میں لوگ طرح طرح سے عورت پر ظلم روا رکھتے تھے، ایک ظلم یہ تھا کہ تفریق کے وقت اس کو دیا ہوا مہر، ہدیہ وتحائف سب واپس لے لیا کرتے تھے، قرآن نے اس پر روک لگانے کے بعد کس طرح انسانی نفسیات کو جھنجوڑا ہے وکیف تاخذونه وقد افضى بعضكم إلى بعض واخذن منكم ميثاقا غليظا اور تم دیے ہوئے مال کو کیسے واپس لیتے ہو حالانکہ تم باہم ایک دوسرے سے بے حجابانہ مل چکے ہو اور وہ عورتیں تم سے ایک پختہ عہد لے چکی ہیں، ظاہر ہے اگر مرد کو سمجھاتے وقت قرآن کا یہ انداز بیان سامنے لایا جائے اور اسے عام کیا جائے تو طلاق جو ضرورت تو ہے مگر ناپسندیدہ ہے اس سے باز رہنے کے بارے میں انسان سوچ سکتا ہے، اس سے بہر حال اس کی نفسیات پر اثر ضرور پڑے گا، غور کیجئے آیت پر، وہ کس طرح مردانہ غیرت کو کچوکے لگا رہی ہے۔

طلاق جس قدر حساس ہے، اسی قدر اس کا وقوع بھی حساس ہے، زبان سے لفظ کی ادائیگی ہوئی اور طلاق واقع ہوئی، لیکن اگر اس کے متعلق معلومات عام ہو جائے تو پھر جو لوگ جان بوجھ کر، سوچ سمجھ کر، مجبور ہو کر طلاق دیں گے وہ احسن طریقہ پر

دیں گے، لیکن جب کچھ معلوم ہی نہیں بلکہ جو معلوم وہ غلط ہے تو ''طلاق طلاق طلاق'' کی تین گولیاں ایک ہی فائر میں اپنے تمام تر جواز کے ساتھ بسا اوقات ملت کے دوسرے مسائل کو دبا دیا کرتی ہے۔

ضرورت اس بات کی ہے کہ اصلاحی مزاج کو سامنے رکھ کر گلی گلی میں ورکشاپ کیے جائیں، اس کی جتنی ضرورت لگزری سیمیناروں اور چمکتے شہروں میں دانشوروں کو سمجھانے کی ہے اس سے کہیں زیادہ ضروری ہے کہ اس کو گاؤں گاؤں پہنچایا جائے، مسجد مسجد اس کی مہم چلائی جائے، عام مسلمانوں کو بنیادی معاشرتی معاملات اور عائلی مسائل سے واقف کرانے کی مہم چلائی جائے، اس کے لیے نہ کوئی بڑی حکمت عملی درکار ہے اور نہ کوئی بڑا سرمایہ، بس بڑی بڑی تنظیموں کے ایک بار سنجیدہ طور پر فکر کرنے کی ضرورت ہے، تھوڑی سی فکر اور ترتیب سے اس کام کو ۶ ماہ سے ایک سال کے اندر پورے ہندوستان کے کونے کونے میں کیا جاسکتا ہے، اس طرح ایک طرف تو دین کے مسائل کی تبلیغ و تفہیم عام ہوگی دوسری طرف بہت بڑے مسئلہ پر قابو پایا جاسکے گا اور بہت سے مسائل کا از خود وہیں تصفیہ بھی ہو جائے گا، ہندوستان کے کتنے عوام ہیں جو اسلامی نظام قضاء سے واقف ہیں اور کتنے ہیں جو واقف ہونے کے بعد اس سے رجوع ہوتے ہیں، اس میں کوئی شک نہیں کہ ہماری ملی تنظیمیں اور علماء کرام بہت کام کر رہے ہیں لیکن تلخ نوائی کے لیے معاف کیا جائے کہ مدارس کی کثرت، تنظیموں کی بہتات، کمیٹیوں کی لمبی فہرست، جماعتوں کی نقل وحرکت، کتابوں کی اشاعت، رسائل کی طباعت کے باوجود ہم اب تک باشعور مسلمانوں کی تعداد میں اضافہ کرنے میں ناکام رہے ہیں، ایسے مسلمان زیادہ ہیں جو بنیادی مسائل سے بھی واقف نہیں ___ بہت بڑی تعداد ہے ان مسلمانوں کی جو فرض نمازوں کی تعداد رکعات سے آج بھی واقف نہیں ___ نماز کے بنیادی مسائل تو دور کی بات ___ کبھی کبھی سوچتا ہوں کہ کتنی بڑی تعداد ہوگی جو آج بھی طریقہ غسل سے واقف نہ ہوگی، پھر اس کی طہارت کا کیا حال ہوگا ___ کیوں نہیں ان مسائل کے لئے ورکشاپ ہوتے ؟؟ کیا اہل مدارس اپنے طلبہ کو ہر جمعرات و جمعہ ایک تیار کردہ ترتیب ونصاب کے ساتھ اس مہم کے لیے نہیں استعمال کر سکتے، کیا اس کے لیے وہ اپنے اسٹاف کو نہیں استعمال کر سکتے، کیا زمین کی خریداری اور تعمیرات سے بڑھ کر اس پر خرچ کرنے کی ضرورت نہیں۔ اور کیا ملی تنظیمیں نو فارغ اور نوجوان علماء کو نہیں استعمال کرسکتیں، بے شمار طریقے ہیں اس صورت حال پر قابو پانے کے لیے لیکن اس کے لیے، جو یہ سوچے کہ کام ہر ناحیہ سے کرنا ہے اور کام بہت باقی ہے، ہمارا تو یہ بھی بڑا اور بدترین المیہ ہے کہ جو بھی جو کچھ کرتا ہے اس کو آخر واول سمجھتا ہے، اسی کی نافعیت بیان کرتا ہے، دوسرے پہلوؤں سے یکسر آنکھیں بند کر لیتا ہے اور احساس یہ ہوتا ہے کہ کام تو ہو رہا ہے، خوب ہو رہا ہے، خدانخواستہ ہم کام ہونے کے منکر نہیں اور نہ ہی یاس وقنوطیت میں فانی بدایونی کے مقلد، مگر زمینی حقائق ہم سے یہی کہلواتے ہیں تو ہمیں معذور سمجھیے، حقیقت یہ ہے کہ اب بات محض کمیٹیوں کی تشکیل، بند کمروں میں سمپوزیم و سیمینار اور لگزری ورکشاپ سے بننے والی نہیں ہے، مسائل کے حل کے لیے مجاہدانہ تحریک اور اقدام وعملی کردار کی ضرورت ہے، میں اکثر کہتا ہوں کہ اصلاح معاشرہ کی جتنی کمیٹیاں تشکیل دی جاتی ہیں اور جتنے جلسے ہوتے ہیں، اور بالخصوص اصلاح معاشرہ کے نام پر جس قدر جہیز و بارات اور شادیوں میں اسراف کے خلاف اعلانات وتقریریں ہوتی ہیں، عملاً اگر صرف اصلاح معاشرہ کی تحریکیں چلانے والے اور طبقہ علماء اس کو اپنا لے تو شادیوں سے فضول خرچی اور جہیز و بارات کی رسمیں دم توڑ دیں گی۔

اس سلسلہ میں ہمارا ایک اور احساس ہے کہ جب بھی کوئی مسئلہ درپیش ہوتا ہے تو ہم اپنے کو میڈیا اور مقننہ دونوں اہم

جگہوں پر تہی دامن و تہی دست پاتے ہیں، اگر چینل واخبار کا قیام واشاعت ہمارے بس سے باہر ہے اور ہم واقعی لاچار وقلاش ہو چکے ہیں، تو کچھ طلبہ وعلماء ہی ایسے تیار کر لیے جائیں جو نیوز چینل پر اسلام کی نمائندگی کر سکیں اور ترکی بہ ترکی اغیار کو بہ زبان اغیار عقلی اور الزامی جواب دے سکیں، وہاں ارشادات قرآنی اور فرمودات نبوی سے محض بات بنے یہ ممکن نہیں!! کیوں کہ ان کے اصل مخاطب تو اہل ایمان ہیں ومن احسن من الله حكما لقوم يوقنون، اسی طرح اخبارات میں ملکی، قومی اور مذہبی مسائل پر صحافتی زبان اور عام فہم اسلوب میں لکھنے والے تیار ہو جائیں، فضائل سے ہٹ کر، ضمیمہ سجانے کے بجائے، طول طویل مضامین مکرر سہ کرر لکھنے اور چھپوانے کے بجائے اس جانب توجہ کی جائے، صرف اخباری اشتہارات کے ذریعہ مبارکبادیوں پر خرچ کی جانے والی رقم ہی ان طلبہ پر خرچ کردی جائے تو بہت کام ہو جائے۔

اسی طرح پارلیمنٹ میں ہماری نمائندگی بالکل نہیں، گلا پھاڑنے، کاسۂ گدائی اٹھانے، اور رحم وکرم پر جینے کے علاوہ ہم کچھ نہیں کر سکتے، اور اس وقت تک نہیں کر سکتے جب تک ملک کی پارلیمنٹ میں ہماری معتدبہ تعداد نہ ہو، کسی بھی مسئلہ کے پائیدار حل کے لیے ضروری ہے کہ قوم کی ایک نمائندہ تعداد قانون ساز اسمبلی کا حصہ ہو، اس ملک کی بڑی بڑی ملی ومذہبی تنظیموں کو اپنی سرپرستی میں ایسے افراد تیار کر کے میدان میں اتارنے پڑیں گے جو ملت کے نمائندہ بن سکیں، کیوں کہ جو مسلم نمائندے وہاں موجود ہیں وہ ملت کے نمائندے نہیں اور ہو بھی نہیں سکتے، اس کے لیے قوم کے سیاسی شعور کو بیدار کرنا از حد ضروری ہے، مجھے رہ رہ کر حضرت مولانا علی میاں رحمۃ اللہ علیہ کا وہ مشورہ کچوکے لگاتا ہے کہ جو علماء کو مخاطب کر کے انہوں نے دیا تھا اور جس کے لیے عملاً تگ ودو بھی کی، کہ اگر قوم کو پنج وقتہ نمازی نہیں بلکہ سو فیصد تہجد گزار بنا دیا جائے لیکن اس کے سیاسی شعور کو بیدار نہ کیا جائے اور ملک کے احوال ان کو واقف نہ کیا جائے تو ممکن ہے کہ اس ملک میں آئندہ تہجد تو دور پانچ وقت کی نمازوں پر بھی پابندی عائد ہو جائے،(۱) یہ مشورہ ایک ایسے شخص کا ہے جس نے قوموں کے عروج وزوال کو پڑھا ہے، مسلمانوں کے عروج وزوال سے پڑنے والے اثرات قلم بند کیا ہے، جس کی نظر تاریخ اقوام وملل پر ہے جس نے تحریکات کی سربراہی کی ہے، جو زاہد وعابد بھی ہے اور پیر مغاں بھی، جس کا قلم داستان ایمان عزیمت بھی لکھتا ہے اور جس نے مجاہدین کی زندگی کا عطر بھی کشید کر پیش کیا ہے، اگر مسلمانوں بالخصوص بااثر علما کرام نے اب بھی عملاً اس مشورہ کو قبول نہ کیا تو اس لمحہ کی خطا سے جو زخم مستقبل دینے والا ہے اس کا اندمال صدیوں تک نہ ہو سکے گا۔

☆☆☆

ڈاکٹر محمد طارق ایوبی ندوی

(۱) حضرت مولاناؒ کے الفاظ ملاحظہ کریں: کاروان زندگی ج ۲ ص ۳۷۲، ج ۶ ص ۱۵۲

خاص تحریر

وہ بات خطبہ عرفات میں جس کا ذکر نہ تھا

پروفیسر محسن عثمانی ندوی
profmohsimusmani@gmail.com

مسلمانوں کا سب سے بڑا اجتماع یوم عرفہ میں ہوتا ہے اور اس میں ساری دنیا کے مسلمان جمع ہوتے ہیں اور یوم عرفہ کے خطبہ میں جو پیغام دیا جاتا ہے ساری دنیا کے مسلمان شاہ وگدا امیر وغریب سب اسے سنتے ہیں، ہر ملک کے مسلم اخبارات اسے شائع کرتے ہیں، ہر جگہ ریڈیو اور ٹی وی سے وہ نشر ہوتا ہے ، گویا گنبد مینا اس خطبہ سے گونجتا ہے، اور اس کی بازگشت جنگل اور صحراء تک سنائی دیتی ہے، اس سال امام حرم شیخ عبد الرحمٰن سدیس نے بیس لاکھ لوگوں کے ٹھاٹھیں مارتے ہوئے سمندر کے سامنے ۱۱ ستمبر ۲۰۱۶ کو یہ خطبہ دیا، انہوں نے اس خطبہ میں بہت سی اچھی اچھی باتیں کیں جیسے ”اللہ نے انسان کو زمین پر اپنا نائب بنایا ہے“ اور ”اللہ نے امت مسلمہ کے لئے دین اسلام کو منتخب کیا ہے“ اور ”نبی کریم ﷺ نے آج کے دن خطبہ دیا اور عدل وانصاف کے احکام بتائے“ اور ”اس وقت دہشت گردی کا سامنا ہے اور دہشت گردی کو کسی دین سے نہیں جوڑا جاسکتا“ اور یہ کہ عالم اسلام اپنی صفوں میں اتحاد پیدا کرے“ شیخ سدیس اس طرح کی باتیں خطبہ عرفات میں کہتے رہے تقریر میں انہوں نے ایک اہم جملہ یہ بھی کہا کہ ”مسلم حکمراں سن لیں کہ امت سخت حالات سے گذر رہی ہے جب تک مسلمان مشترکہ طور پر کوشش نہیں کریں گے مسائل حل نہیں ہوں گے“ انہوں نے کہا کہ ”اس وقت سب سے بڑا مسئلہ فلسطین کا ہے اور مسجد اقصی ہمارا قبلہ اول تھا اس کی آزادی کے لئے جدوجہد کرنی چاہئے“ دوسو ملکوں سے آئے ہوئے لوگوں کو انہوں نے بتایا کہ امت سخت حالات سے گذر رہی ہے لیکن یہ نہیں بتایا کہ سخت حالات سے نپٹنے اور کسمپرسی اور ذلت کے اندھیروں سے باہر نکلنے کا راستہ کیا ہے انہوں نے یہ نہیں بتایا کہ فلسطین کا مسئلہ حل کیسے کیا جاسکتا ہے انہوں نے یہ بھی نہیں بتایا کہ مسجد اقصی کو آزاد کیسے کرایا جاسکتا ہے۔ اب علماء حکمرانوں کے خوف سے حق گوئی سے کام نہیں لیتے۔ اگر حق گوئی اور بیباکی سے کام لیا جائے تو یوم عرفہ کے موقعہ پر خطیب کو یہ صاف صاف کہنا چاہئے کہ مسجد اقصی کو واگذار کرانے کیلئے اور فلسطین پر غاصبانہ قبضہ کو ختم کرنے لئے وہی طاقت حاصل کرنی ہوگی جو اسرائیل کے پاس ہے جس نے فلسطینیوں کو گاجر اور مولی کی طرح سے کاٹ دیا ہے۔ طاقت کے اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے عرب حکمرانوں کو صنعتی انقلاب لانا ہوگا ہر چیز کو باہر سے درآمد کرنے کا سہل طریقہ ختم کرنا ہوگا اور یہ کہ اسی معیار کے اسلحہ تیار کرنے ہوں گے جس معیار کے اسلحہ امریکہ اور اسرائیل کے پاس ہیں تا کہ مسلمانوں اور خدا کے دین کے دشمنوں پر خوف طاری ہوجائے۔ یہ وہ بات ہے جس کا حکم قرآن میں دیا گیا تھا اور یہ وہ بات ہے جس پر

عرب حکمراں عمل نہیں کرر ہے ہیں اور یہ وہ ضروری بات ہے جو خطبہ عرفات میں موجود نہیں ہے، یوم عرفہ کے خطیب کو واشگاف لفظوں میں بے خوف ہو کر یوں کہنا چاہئے تھا:

'عرب مسلم حکمراں اور خلیجی سلطنتوں کے والا تبار امیر و سلطان ،آل سعود اور آل صباح اور آل نہیان ،غور سے سنیں کہ اگر وہ اسرائیل کے مسئلہ کو حل کرنا چاہتے ہیں تو انہیں اپنی پوری قوم کو صارفین کی قوم کی بجائے کار آزمودہ، کار پرداز اور اسلحہ ساز قوم بنانا ہوگا، حال اور مستقبل کی نئی منصوبہ بندی کرنی ہوگی، باہر سے مصنوعات کے درآمد کرنے پر پابندی لگانی ہوگی قوم وہی چیز استعمال کرے گی جسے وہ خود تیار کرے گے اور جب تک وہ خود تیار نہ کرنے لگے اس وقت تک صبر سے کام لے گی۔ خود باشاہ سلامت بھی قیمتی کار اس وقت تک استعمال نہ کریں گے جب تک ان کا ملک خود کار نہ بنانے لگے، چلنا ہو تو پیدل چلیں گے کہیں جانا ہو تو پا پیادہ جائیں گے اور اپنے پیروں کو لہولہان کرلیں گے لیکن درآمد کی ہوئی کار استعمال نہ کریں گے، ان کے اندر ولولہ تازہ ہونا چاہئے ان کی اندر جذبہ کا خروش اور صنعتی انقلاب کا جوش ہونا چاہئے وہ غم ہونا چاہئے تھا جو صلاح الدین ایوبی میں مسجد اقصی کے لئے پایا جاتا تھا وہ اپنے کو برسر جنگ صلاح الدین ایوبی بنائیں جنگی سامان بنائیں ورنہ تخت سلطنت سے دست بردار ہو جائیں ، بہت ہو چکی ملت مسلمہ کی ذلت ، خون کے آنسو رلاتی ہے عالم اسلام کی حالت ، افغانستان میں درندگی کی انتہا کردی گئی سوڈان پر مظالم کا سلسلہ جاری ہے لیبیا میں تشدد ختم ہونے کا نام نہیں لیتا ہے عراق کو کچل کر رکھ دیا گیا ،مشرقی تیمور کو انڈونیشیا سے الگ کر کے وہاں عیسائی ریاست کی تشکیل کی گئی ،اسرائیل فلسطین کے مسلمانوں پر رات دن ظلم کررہا ہے شام میں خون مسلم پانی سے زیادہ ارزاں ہے ، محکومیت اور ذلت مسلمانوں کی پہچان بن گئی ہے اور یہی مسلم حکمراں ہیں جو ذلت ونکبت کے براہ راست ذمہ دار ہیں، ان حکمرانوں کو چاہئے تھا ترقی یافتہ ایٹمی میزائیل بنائیں لانچنگ پیڈ بنائیں، ایٹم بم بنائیں، ہائیڈروجن بم بنائیں ٹینک اور بکتر بندگاڑیاں تیار کریں، جنگی طیارے بنائیں، سائنس اور ٹکنولوجی میں وہ اپنے ملک کو ہمدوش ثریا کریں پورے عالم اسلام سے سائنس اور ٹکنولوجی کے میدان کے جوہر قابل کو اپنے یہاں بلائیں اور ان کے تجربہ سے فائدہ اٹھائیں اور خود یہ اذعان حاصل کریں کہ وہ ابھی تک تحت الثری میں ہیں ، پسماندہ ہیں، ترقی یافتہ ملکوں کے مقابلہ میں وہ کسی شمار قطار میں نہیں ہیں ایک اسرائیل جب چاہے ان پر حملہ آور ہوسکتا ہے، یہ شیشہ کے مکانات، یہ درخشندہ فلزات، یہ تعیش کے آلات، یہ معیار زندگی یہ فریب آسودگی یہ سب جھوٹے نگوں کی ریزہ کاری ہے یہ ترقی نہیں پسماندگی ہے، زندگی کی تلخ حقیقتوں سے روگردانی ہے اس طرز زندگی سے کبھی مسجد اقصی کی واگذاری ممکن نہیں ہے۔

یہی اصل بات تھی جس کا کوئی تذکرہ یوم عرفہ کے خطبہ میں موجود نہ تھا۔ امریکہ اور یورپ کے ذریعہ افغانستان اور عراق کو کھنڈر بنا دئے جانے کا دلدوز واقعہ عصر حاضر کے مفکر اور جلیل القدر عالم مولانا علی میاں نے نہیں دیکھا تھا ان کو اللہ نے پہلے اٹھالیا تھا، ان واقعات کے رونما ہونے سے بہت پہلے مسلم حکمرانوں کو جو انہوں نے مشورے دئے تھے اس پر ایک نظر ڈالئے وہ اپنی کتاب انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج وزوال کا اثر میں لکھتے ہیں:

''عالم اسلام کا کام یہیں ختم نہیں ہوجاتا، اگر اس کو اسلام کے پیغام کی خواہش ہے اور وہ دنیا کی قیادت کا فرض انجام دینا چاہتا ہے تو اس کو اس کے لئے ممتاز قوت اور تربیت اور صنعت وعلوم ،تجارت اور فن حرب میں مکمل کی ضرورت ہوگی ،اس کو زندگی کے ہر شعبہ میں اور اپنی ہر ضرورت میں مغرب سے

مستغنی اور بے نیاز ہونا پڑیگا، اور اس سطح پر ہو کہ اپنے لئے پہننے اور کھانے کا سامان کر سکے، اپنے لئے ہتھیار تیار کر سکے، اپنی زندگی کے معاملات کا انتظام اس کے ہاتھ میں ہو، اپنی زندگی کے خزانے وہ خود برآمد کر سکے اور اس سے فائدہ اٹھا سکے اپنی حکومتوں کو اپنی دولت اور اپنے آدمیوں کے ذریعہ چلا سکے، اس کے چاروں طرف پھیلے ہوئے سمندروں میں بحری بیڑے اور جہاز شور کر رہے ہوں، اور وہ دشمن کا مقابلہ اپنے یہاں کے جنگی جہازوں اور توپوں اور ہتھیاروں سے کریں اس کی برآمد اس کی درآمد سے زیادہ ہو اور اس کو مغربی ممالک سے قرض لینے کی ضرورت پیش نہ آئے، اس کو کسی کے جھنڈے کے نیچے آنا پڑے، اور وہ کسی کیمپ میں شامل ہونے پر مجبور نہ ہو۔

جب تک عالم اسلام علم وسیاست صنعت وحرفت وتجارت میں مغرب کا محتاج رہے گا مغرب اس کا خون چوستا رہے گا، اس کی زمین کا آب حیات نکالے گا، اس کا سامان تجارت اور مصنوعات ہر روز اس کی منڈیوں، بازاروں اور جیبوں پر چھاپہ ماریں گے اور اس کی ہر چیز پر ہاتھ صاف کرتی رہیں گی، جب تک عالم اسلام مغرب سے قرض لیتا رہے گا اور اپنی حکومت کا انتظام کرنے، اہم کلیدی عہدوں کو پر کرنے اپنی فوج کو ٹریننگ دینے کے لئے مغرب کے آدمیوں کا رہین منت رہے گا، وہاں کا سامان تجارت اور صنعت منگائے گا اور اس کو اپنا اتالیق اور استاذ مربی اور سرپرست حاکم اور سردار سمجھے گا اس کے حکم اور اس کے رائے کے بغیر کوئی کام نہیں کرے گا اس وقت تک وہ مغرب سے مقابلہ کرنا تو درکنار اس سے آنکھیں بھی نہیں ملا سکتا۔

یہ علمی اور صنعتی زندگی کا وہ شعبہ تھا جس کے بارے میں عالم اسلامی نے عہد ماضی میں کوتاہی سے کام لیا اور جس کی تعزیر میں اس کو طویل ذلیل زندگی کا مزہ چکھنا پڑا اور اس پر مغربی قیادت اور سرداری مسلط کردی گئی جس نے دنیا میں تباہی وغارتگری، قتل وخونریزی اور خودکشی برپا کی، اب اگر اس موقعہ پر بھی عالم اسلامی نے علمی صنعتی تیاری اور اپنی زندگی کے معاملات میں آزادی کے بارے میں غفلت برتی اور اس مرتبہ بھی اس سے یہ چوک ہوگئی تو دنیا کی تقدیر میں بدنصیبی اور شقاوت لکھ دی جائے گی اور انسانیت کے ابتلا کی مدت اور طویل ہوجائیگی۔''

(انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج وزوال کا اثر ص ۳۵۱)

مسلمانوں کی نکبت وناسازگاری بے چارگی اور درماندگی کا علاج اس کی سوا کچھ نہیں ہے کہ وہ مصاف زندگی میں فولادی طاقت پیدا کریں مادی اسباب اور ٹکنولوجی سے غفلت نہ برتیں۔ کاش خلیجی حکمراں شروع سے یہ کام کرتے اور عیش کوشی اور غفلت میں مبتلا نہ ہوتے۔

پاکستان کے ایک معروف عالم دین مولانا محمد یوسف بنوری ہیں ان کی تحریر بھی قابل غور ہے:

'' عالم اسلام بالخصوص عرب کے صحراؤں میں قدرتی وسائل، خام ذخائر اور مال ودولت کی کمی نہیں بلکہ فراوانی ہے، گر یہ کتنا بڑا المیہ ہے کہ ان کے مال ودولت کا بڑا حصہ یا تو غیر ملکی بینکوں میں جمع ہونے کی وجہ سے دشمنان اسلام کے کام آتا ہے، بادشاہ خرچی، عیش پرستی، عافیت کوشی، اور آسائش پسندی کے لئے ضائع کیا جاتا ہے،، لیکن فوجی استحکام، عسکری تربیت، اور اسلحہ سازی تقریبا صفر ہے، دشمنان اسلام ہر جگہ ہوائی اڈے، بحری بیڑے، فوجی چھاونیاں، اور اسلحہ سازی کے بڑے بڑے کارخانے قائم کررہے ہیں، مگر مسلمان خدا فراموشی کے ساتھ ظاہری تدبیر سے بھی مجرمانہ غفلت میں مست ہیں۔''

پاکستان کے ایک اور ممتاز عالم مولانا ظفر احمد عثمانی تاریخ تمدن اسلام وعرب میں تحریر کرتے ہیں:

''دشمن کے مقابلہ میں قوت حرب (جنگی طاقت) کو اس حد تک بڑھانا چاہئے کہ دشمن پر ہیبت طاری ہوجائے، ہمارے پہلے

خلفاء اور سلاطین اس حکم پر پوری طرح عامل تھے ،حضرت معاویہ نے خلافت خلافت بنی امیہ میں پانچ سو بحری جہازوں کا جنگی بیڑا تیار کیا تھا، وہ دشمن کی جنگی قوت سے مدافعت پورا ساما ن تیار کرتے تھے دوسروں کے دست نگر نہ تھے جیسے ہم آج کل دوسروں کے محتاج ہیں ،سب مسلمانوں کو مل کر اسلحہ سازی کے کارخانے قائم کرنے چاہئیں اور نئی نئی ایجادیں بھی کرنی چاہئے یہ سب "اعدوا لهم ما استطعتم " میں داخل ہیں''۔

حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوری ایک برگزیدہ بزرگ شخصیت کا نام ہے بڑے بڑے علماء دین ان کے ہاتھ پر بیعت تھے انہوں نے اس پر قلق اور افسوس کا اظہار کیا کہ مسلمان ممالک صنعت وحرفت اور اپنی ضرورت کو اپنے ملک میں پیدا کرنے کی طرف توجہ نہیں کرتے ،اور ان کی زیادہ تر دولت باہر سے ضروریات زندگی کے درآمد کرنے پر صرف ہوتی ہے،مولانا ابو الحسن علی ندوی فرماتے ہیں کہ شعبان ۱۳۸۱ مطابق جنوری ۱۹۶۲ میں راقم نے اپنے چند رفقاء کے ساتھ کویت اور قطر کا سفر کیا جب اجازت اور رخصت کے لئے رائے پور حاضر ہوا تو بڑی عنایت اور محبت سے رخصت فرمایا، چلتے وقت خصوصیت سے فرمایا'' ان بھلے مانسوں سے کہنا کہ اپنی دولت کا صحیح استعمال کریں، کارخانے بنائیں اور صنعتوں کو رواج دیں''۔مولانا علی میاں نے مزید یہ لکھا ہے کہ حضرت رائے پوری کہا کرتے تھے کہ جب تک کوئی ملک اپنے پاوں پر کھڑا نہ ہوتو اس زمانہ میں دین اور دنیا کا کوئی کام نہیں کرسکتا (سوانح مولانا عبدالقادر رائے پوری ۲۷۹،۲۸۰)

یوم عرفہ کے خطبہ میں حکمرانوں کو اس اہم ترین بات کی طرف توجہ نہ دلانا سنگین ترین غلطی ہے،اور حکمرانوں کا سائنس اور ٹکنولوجی کو ترقی نہ دینا مہلک ترین غلطی ہے اور اپنی اس غلطی کو نہ جاننا بے شعوری کی معراج ہے۔کسی کو اس تنقید واحتساب پر چیں بجبیں ہونے کی ضرورت نہیں کہ اسلام کے نظام حکمرانی میں ایک معمولی شخص کو بھی حکمراں پر تنقید کا حق حاصل ہوتا ہے اور اسلام کے نظام حکمرانی میں کسی حکمراں کو ملک پر مالکانہ حقوق حاصل نہیں ہوتے وہ ملک باشندوں کی طرف سے صرف وکیل انتظامی ہوتا ہے۔بات کڑوی ہے لیکن یہ سچ ہے کہ عہد حاضر میں مسلمانوں کی بربادی کے ذمہ دار آج کے مسلم حکمراں ہیں اور ان سے بھی زیادہ ذمہ دار وہ علماء ہیں جو کلمہ حق کہنے سے گریز کرتے ہیں ۔اصل بات یہ ہے کہ منڈلاتے ہوئے خطرہ کا شعور ہی موجود نہیں ہے ایک کوا جب کہیں خطرہ محسوس کرتا ہے تو کائیں کائیں کرکے تمام کووں کو جمع کر لیتا ہے سب کو ہوشیار کردیتا ہے۔اس وقت پورا عالم اسلام خطرہ میں ہے لیکن خطرہ کا احساس نہیں پایا جاتا ہے۔ خطرہ کا احساس پایا جاتا تو خطبہ عرفات میں اس کا ذکر ضرور آتا ۔احساس کا پایا جانا خود ایک دولت ہے اسی لئے اقبال نے اپنی منظوم دعا میں یہ کہا تھا ''احساس عنایت کرآثار مصیبت کا'' لیکن مصیبت کی ہولناکی کا کسی کو احساس نہیں ،عالم اسلام کے لئے ترقی ونہضت کا راستہ صرف وہی ہے جسے مولانا علی میاں نے اور دوسرے علماء نے وضاحت کے ساتھ بیان کردیا ہے اگر حکمرانوں نے اس پر عمل نہیں کیا تو سواد امت کو ان کا گریبان پکڑنے کا حق حاصل ہوگا کیونکہ ان کی غلطی کا خمیازہ دنیا میں پوری امت کو بھگتنا پڑتا ہے ۔ اس وقت ضرورت اس بات کی ہے کہ عالم اسلام میں یہ شعور بیدار کیا جائے کہ موجودہ شکست وریخت اور زوال اور انحطاط کا بنیادی سبب یہ ہے کہ مسلمان سائنس اور ٹکنولوجی میں دنیا کی قوموں سے بہت پیچھے رہ گئے ہیں اور جب تک سائنس اور ٹکنولوجی اور صنعت میں ترقی یافتہ قوموں کے ہمسر نہیں ہوجائیں گے اس وقت تک ان کو جرم ضعیفی کی سزا ملتی رہے گی ۔اس پیغام کو پھیلانے اور عرب اور مسلم دنیا میں اس کا صور پھونک دینے کی ضرورت ہے۔

☆☆☆

پیام سیرت

قوت برداشت......دعوت کی جان

محمد فرید حبیب ندوی
Mob. 9012621589

''پاگل دیوانہ ہے......ساحر و مجنون ہے''

قریش کے سردار...... بڑے بڑے سردار......کعبہ کے گرد بیٹھے خوش گپیوں میں مصروف......ادھر ادھر کی باتوں میں مشغول__ اچانک اس ''عظیم انسان'' پر نظر پڑتی ہے...... چہرے فق ہوجاتے ہیں......رنگت تبدیل ہوجاتی ہے......ہنستے مسکراتے چہرے نفرت وانتقام کے شعلوں سے لال پڑجاتے ہیں......کچھ بھی تو نہیں ہوا تھا......اس معصوم نے کچھ کہا بھی تو نہ تھا......وہ تو بس یونہی گذرا تھا......''ساحر ہے......مجنون ہے...... پاگل، دیوانہ ہے'' ......اے دیکھو!!......اللہ کو رسول بنانے کے لئے بس یہی ملا ہے......کھانے کو دو روٹی میسر نہیں، نبوت و رسالت کا دعوہ کرتا ہے......تن پہ کپڑا نہیں، قیصر و کسری کے خزانوں کو فتح کرنے کے خواب دیکھتا ہے...... ایک ایک جملہ زہر میں بجھا ہوا...... ہر ہر لفظ تیر و نشتر...... ہر بات زہر خند و نفرت انگیز......مگر ہائے رے!!...... دنیا ششدر...... دشمن بھی حیران......وہ خاموش ہے......سراپا خاموش...... لب مبارک پر کوئی حرکت نہیں...... چہرۂ انور پر کوئی نفرت نہیں......مسکراتا اور تبسم ریز چہرہ...... برداشت کی بھی کوئی حد ہے آخر...... یہ انسان ہے یا......ان باتوں کا اس پر کوئی اثر کیوں نہیں ہوتا!!......پتھر بھی اس کی قوت برداشت کے آگے سجدہ ریز...... پہاڑ بھی اس کے تحمل پر انگشت بدنداں......کیا لوہے کا جگر تھا اس کا؟؟......نہیں......وہ تو شیشہ سے بھی زیادہ نازک تھا...... یہ اسی کا کمال تھا کہ ٹوٹے دل کو بکھرنے سے بچاتا تھا...... یہ اسی کا حصہ تھا کہ نفرت کے آگ میں بھی محبت کا خلوص پیش کرتا تھا...... یہ اسی کا جگر تھا کہ جگر خراش پھبتیوں کے جواب میں بھی ہدیۂ تبسم نچھاور کرتا تھا......سلام اس کی عظمت کو......سلام اس کی انسانیت کو......صد آفریں اس کے تحمل کو......صد ہزار مبارکباد اس کے دلِ نازک کو......۔

☆ کتنا عظیم تھا وہ انسان!!

اگر وہ نہ ہوتا تو ہم کیا ہوتے؟......کہاں ہوتے؟......

گمراہی......بدقسمتی......تاریکی......کیا کچھ ہمارا مقدر ہوتا؟

اگر محمد عربی ﷺ - فداہ ابی وامی- گستاخیوں، بدتمیزیوں، دل شکنیوں، سفاکیوں اور سنگ باریوں کے

درمیان میں ایک بار بھی ...... ہاں...... ایک بار بھی...... جواب دے دیتے......دل کو پہنچنے والی ٹھیس کو زبان پر لے آتے...... آخر انسان ہی تو تھے...... دل تو وہ بھی رکھتے تھے......شیشہ سے زیادہ نازک دل......نزاکت سے بھرپور دل......دل تو ان کا بھی ٹوٹتا تھا......اگر وہ گالی کا جواب گالی......اور اینٹ کا جواب اینٹ سے دے بھی دیتے تو اس میں تعجب ہی کیا......اور اگر وہ ایسا کر لیتے......تو خون کے پیاسے...... جان کے دشمن...... ان کے قدموں میں سر کیسے جھکاتے......ان کے اخلاق کی عظمت کے آگے سر نگوں کیوں کر ہوتے ...... یہ ان کی قوت برداشت ہی تو تھی...... یہ ان کے الفاظ کی حلاوت ہی تو تھی...... یہ ان کی سب کچھ سہہ جانے کی عادت ہی تو تھی...... جس نے دشمنوں کو غلام......نفرت کرنے والوں کو اسیر محبت......اور خون کے پیاسوں کو جانثار بنایا تھا......اگر وہ ایسا نہ کرتے تو یہ اکڑے ہوئے دل موم کیسے ہوتے۔

☆ کتنا نازک دل تھا محمد ﷺ کا......حساس اور سب سے زیادہ حساس...... نازک اور نازک تر......تکلیف کتنی ہوتی ہوگی انھیں......درد کس بلا کا اٹھتا ہوگا......زخموں سے چور چور بدن......خون میں لت پت قدم......تکلیف سے بوجھل جسم......اوباشوں اور غنڈوں کی قینچی کی طرح چلتی زبانیں...... نازک طبیعت کو چھلنی کر دینے والی گالیاں......دل کو پاش پاش کرنے والی پھبتیاں......اوپر سے جھلساتی دھوپ...... آتش دوزخ کا نمونہ پیش کرتی تپش......ریگزار زمین......طائف کی چھالے ڈال دینے والی زمین......کیا ایک انسان اتنا سب کچھ سہہ کر بھی اپنی زبان کو قابو میں رکھ سکتا ہے؟؟؟......آہ......کیا دل گردہ تھا وہ!!! کیا جگر تھا وہ!!......فرشتہ آتا ہے اور دشمنوں کو پیس ڈالنے کی اجازت چاہتا ہے...... مگر...... آہ...... قوت برداشت کی انتہا!! ...... رحمت وشفقت کی آخری اونچائی......زبان سے نکلتا بھی ہے تو......اے اللہ انہیں ہلاک نہ کرنا...... اگر یہ ایمان نہیں لاتے تو ان کی پشتیں ایمان لے آئیں گی...... اے اللہ...... یہ جانتے نہیں ہیں......کوئی حد ہے اس عظیم انسان کے عظمت کی!!...... انسانیت کو بھی کتنا فخر ہوگا اس پہ......اور خود خالق کائنات کو کتنا ناز ہوگا اس پہ......لیکن ذرا سوچئے !!......اگر آپ بددعا کر دیتے......انہیں پیس ڈالنے کی درخواست اپنے خدا سے کر بیٹھتے......تو کیا......کیا......ہم آج اس روشنی میں ہوتے......کیا یہ ایمانی زندگی ہمیں نصیب ہوتی......کیا یہ قرآن اور شریعت ہمارے پاس موجود ہوتی؟

آج ہم بھی داعی ہیں...... دعوت کا کام کرتے ہیں......مسجد ومدرسہ اور تحریک وتنظیم سے وابستہ ہیں...... اس کا کوئی شمہ بھی حاصل ہے؟؟ ...... یہ گداز...... یہ تحمل مزاجی...... یہ قوت برداشت...... ہمارے قلب وجگر کو بھی نصیب ہے؟؟......اگر ہاں ......تو زہے نصیب......اور ......اگر نہیں تو......ہمیں ابھی بہت کچھ سیکھنا ہے......اس داعیِ اعظم...... رسول اکرم...... انسان عظیم کی سیرت سے......اس کی زندگی سے...... جو نفرتوں کی بوچھار میں بھی ہنسنے......مسکرانے کا درس ہمیں دے کر گیا ہے......صلی اللہ علیہ وسلم۔

☆☆☆

خصائص و امتیازات (قسط-۷)

امت محمدیہ، خصوصیات وامتیازات

محمد قمر الزماں ندوی
جنرل سکریٹری: مولانا علاء الدین ایجوکیشنل سوسائٹی، جھارکھنڈ
maeducationalsociety@gmail.com

آٹھویں خصوصیت: جنت میں امت محمدیہ کی اکثریت

احادیث سے اس بات کی وضاحت ہوتی ہے اور حدیث کی کتابوں میں یہ مضمون آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے متبعین اور پیروکار قیامت کے دن جنت کے ایک چوتھائی ہوں گے۔ حضرت ابن بریرہ رضی اللہ اپنے والد کے حوالہ سے نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اہل جنت کی ایک سو بیس قطاریں ہوں گی اور ان میں اسی صفوں میں صرف امت محمدیہ کے افراد ہوں گے اور چالیس صفیں دوسری امتوں کی ہوں گی۔ (ترمذی شریف)

ایک دوسری حدیث میں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ہم لوگ نبی کریم ﷺ کے ساتھ ایک قبہ میں تھے، اس موقعہ پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

’’کیا تم لوگ اہل جنت میں چوتھائی ہونے پر راضی ہو؟ ہم نے عرض کیا کہ ہاں، فرمایا کیا تم اس بات پر راضی ہو کہ اہل جنت کا تہائی حصہ ہو؟ ہم نے کہا ہاں فرمایا کیا تم اس بات پر راضی ہو کہ آدھے اہل جنت تم ہو؟ ہم نے عرض کیا ہاں، فرمایا کہ قسم ہے اس ذات کی جس کے دستِ قدرت میں محمد کی جان ہے، مجھے امید ہے کہ تم اہل جنت کا نصف ہو گے اور مسلمان کے سوا کوئی جنت میں داخل نہ ہوگا اور مشرکوں کے مقابلہ میں تم ایسے ہو جیسے کالے بیل کی جلد پر سفید بال یا کسی سرخ بیل کی جلد پر کالے بال‘‘

حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں: قرآن کی جب یہ آیت نازل ہوئی "ثلة من الأولين، وقليل من الآخرين" مقرب لوگ اگلوں میں سے بہت ہوں گے اور پچھلوں میں سے کم۔ یہ سن کر صحابہ پریشان ہوگئے، پھر یہ آیت نازل ہوئی "ثلة من الأولين وثلة من الآخرين" مقرب لوگ اگلوں میں سے بھی بہت ہوں گے اور پچھلے لوگوں میں سے بھی بہت تو اس موقع پر حضور ﷺ نے صحابہ کے سامنے یہ حدیث بیان کی۔

اس مضمون کی دوسری روایت کے الفاظ یہ ہیں: نبی کریم ﷺ نے فرمایا: قیامت کے دن سب سے پہلے حضرت آدم علیہ السلام کو بلایا جائے گا، وہ عرض کریں گے کہ میں حاضر ہوں فرمایا جائے گا کہ تم اپنی اولاد کو جہنم سے نکالو، وہ عرض کریں گے اے رب: میں کتنے کو نکالوں؟ فرمایا جائے گا کہ ہر سو سے ننانوے نکالو، صحابہؓ نے کہا: یارسول اللہ، یوں تو ہمارے سو میں سے ننانوے نکال لیے جائیں گے تو باقی کیا بچیں گے؟ فرمایا کہ میری امت دوسری امتوں کے مقابلے میں ایسی ہے جیسے کہ کالے بیل کے جسم میں سفید بال۔

اس حدیث سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ جنت میں اکثر لوگ محمد ﷺ کی امت میں سے ہوں گے کیوں کہ اس امت کو ساری امتوں پر فضیلت دی گئی ہے، حضرت عبداللہ بن عباسؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میرے سامنے امتیں کی گئیں، ایک نبی گزرے ان کے ساتھ بہت سارے لوگ تھے، ایک نبی ایسے بھی گزرے کہ ان کے ساتھ ایک ہی فرد تھا، ایک نبی کے ساتھ دس آدمی تھے، ایک نبی کے ساتھ پانچ لوگ تھے، ایک نبی تنہا تھے، میں نے نظر دوڑائی تو ایک بڑی جماعت نظر آئی، میں نے پوچھا، اے جبرئیل! کیا یہ میری امت ہے؟ انہوں نے کہا کہ نہیں بلکہ آپ افق کے جانب دیکھیں، میں نے دیکھا تو بہت ہی بڑی جماعت تھی، انہوں نے کہا کہ یہ آپ کی امت ہے، اور ستر ہزار لوگ جو ان کے آگے ہیں ان کے لئے نہ حساب ہے نہ عذاب، میں نے پوچھا کیوں؟ انہوں نے جواب دیا کہ یہ لوگ داغ نہیں لگواتے تھے، جھاڑ پھونک نہیں کرتے تھے، شگون نہیں لیتے تھے، اور اپنے رب پر بھروسہ رکھتے تھے، حضرت عکاشہؓ بن محصن نے کھڑے ہو کر عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ سے دعا کیجئے کہ مجھے ان میں شامل کرلے۔ آپ نے دعاء کی اے اللہ! عکاشہ کو ان میں شامل کرلے دوسرے صحابہ نے عرض کیا، اللہ تعالیٰ سے دعاء کیجئے کہ مجھے بھی ان میں شامل فرمائے، فرمایا کہ عکاشہ تم سے سبقت لے گئے" حضرت سہل بن سعدؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا "میری امت کے ستر ہزار لوگ ضرور جنت میں جائیں گے، جو ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑے ہوئے ہوں گے، اور ان کے چہرے چودہویں رات کی طرح چمکتے ہوئے ہوں گے۔

نویں خصوصیت: جنت میں اولین داخلہ کی حقدار امت محمدیہ ہوگی

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "جنت انبیاء کے لئے اس وقت تک حرام ہوگی یہاں تک کہ میں جنت میں داخل ہو جاؤں، اسی طرح جنت میں دوسری امتوں کے لئے داخلہ حرام ہوگا۔ یہاں تک کہ امتِ محمدیہ کے افراد داخل ہو جائیں۔ (ابن کثیر ۴/۱۷، بحوالہ امثال الحدیث ۲۳۲)

اوپر جن احادیث کا تذکرہ کیا گیا ہے، ان حدیثوں کے مطالعہ سے یہ حقیقت سامنے آتی ہے اور یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ حضور ﷺ کے ماننے والوں کا دوسری قوموں کے مقابلہ میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک خاص مقام ہے۔ امت مسلمہ ایسی خوبیوں اور کمالات وخصوصیات کی حامل ہے جن کا سابقہ امتوں میں تصور ممکن نہیں تھا، یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے ہر ایک عمل پر کئی گنا ثواب کا وعدہ فرمایا ہے۔ ان احادیث کا سبق آموز پہلو یہ بھی ہے کہ امتِ مسلمہ کا ایک ایک فرد کو دوسروں کے لئے آئیڈیل اور نمونہ بننا چاہیے، فکر وعمل، عقیدہ وعمل، اخلاق وعادات، شرافت وتہذیب، تقویٰ وخداترسی، تعلیم وتربیت اور معاشرت نیز لین دین اور نشست وبرخاست غرض مسلمانوں کو ہر میدان میں دوسری قوموں سے آگے بڑھنے کی کوشش اور فکر کرنی چاہیے۔

دسویں خصوصیت: امت محمد کے ساتھ خیر کی وابستگی

آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ بہترین زمانہ وہ ہے جس میں آپ ﷺ اور آپ کے صحابہؓ تھے، پھر وہ جو اس سے متصل ہے پھر وہ جو اس سے متصل ہے۔ (مسند احمد بن حنبل)

علماء نے اس حدیث کی تشریح میں فرمایا ہے کہ اس حدیث میں صحابہ کرامؓ، تابعین اور تبع تابعین کے زمانہ کی فضیلت بیان کی گئی ہے۔ جن کا زمانہ ۲۲۰ھ تک پھیلا ہوا ہے۔ ان تینوں زمانہ کے حضرات بعد میں آنے والوں سے افضل ہیں۔

اس کے علاوہ بعد میں آنے والوں کی بھی فضیلت ثابت ہے جیسا کہ طبرانی کی روایت ہے، آپؐ نے فرمایا بہترین مومن وہ ہیں جو مجھے نہ دیکھنے کے باوجود مجھ پر ایمان لائے۔ (طبرانی)

ایک مرتبہ حضرت ابوعبیدہ بن جراحؓ نے آنحضرت ﷺ

سے دریافت کیا کہ کیا ہم لوگوں سے بھی کوئی افضل ہوں گے؟ ہم لوگوں نے آپ کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا اور آپ کے ساتھ جہاد میں شرکت کی تو آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ ہاں تمہارے بعد ایک ایسی جماعت ہوگی جو مجھ پر ایمان لائے گی اور انہوں نے مجھے نہیں دیکھا ہوگا۔ (رواہ الطبرانی)

ایک دوسری حدیث میں (جس حدیث کے راوی حضرت ابو ہریرہؓ ہیں) آپؐ نے فرمایا "حقیقت تو یہ ہے کہ میری امت میں مجھ سے نہایت شدید اور نہایت اچھی محبت رکھنے والے وہ لوگ ہیں جو میری وفات کے بعد پیدا ہوں گے ان میں کا کوئی کوئی تو یہ آرزو کرے گا کہ کاش وہ مجھ کو دیکھ لے، اپنے اہل وعیال اور اپنا مال واثاثہ سب کچھ مجھ پر قربان کردے (مسلم)

اس میں کوئی شک نہیں کہ اسلام کے ابتدائی ماننے والے وہ خوش قسمت لوگ تھے جو آپ ﷺ پر اس وقت ایمان لائے اور آپ کی تصدیق کی جب کہ عام لوگ آپؐ ﷺ کو جھٹلا رہے تھے، انہوں نے مشکل حالات اور ابتلاؤں کے زمانہ میں آپ ﷺ کی مدد کی، اسلام کی نشر واشاعت اور تبلیغ ودعوت کا علم تھامے رہے، انہوں نے اس پیغام ہدایت کو پوری بصیرت اور فراست کے ساتھ دور دراز کے ملکوں تک پہنچایا، اور بہت سی قوموں کو اس سے بہرہ ور کیا، انہوں نے نبی کریم ﷺ سے اسلامی تعلیمات حاصل کیں، آپس میں علمی تبادلے کئے، اسلام کو اپنی زندگی میں برتا اور پوری بصیرت وہدایت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی عبادت کی۔

بے شک ان سابقین اولین کو اپنے بعد والوں پر بڑی فضیلت حاصل ہے، اور ان میں سراپا خیر ہے۔ لیکن اللہ علیم وخبیر نے امت محمدیہ علی صاحبھا الصلاۃ والسلام کے عام لوگوں کو بھی اس دین عظیم کے خیر سے نوازا ہے۔ اور اہل اسلام میں قیامت کے لئے اس خیر کی تمام قسموں کو باقی رکھا ہے۔ چنانچہ خیر اس امت سے ہمیشہ وابستہ رہے گی، اور کبھی یہ امت اس سے محروم نہیں ہوسکتی، اللہ تعالیٰ جب چاہتا ہے اور جس زمانہ میں چاہتا ہے، اس امت کی کسی جماعت یا کسی فرد کے ہاتھوں اس خیر کو ظاہر فرمادیتا ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ نے اس کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا کہ: "إن اللــه يبعـث لهذه الأمة علـى رأس كل مائة سنة من يجددلها دينها" (سنن داؤد کتاب الملاحم) کہ اللہ تعالیٰ ہر صدی کی ابتدا میں کسی ایسے شخص کو بھیجتا رہے گا جو اس کے لئے دین کی تجدید کرتا رہے گا، اور یہ بہت بڑی بھلائی ہے۔

آنحضرت ﷺ نے اس امت میں خیر کی مثال بارش سے دی جس کے بارے میں یہ معلوم نہیں کہ آیا اس کے ابتدائی حصہ میں خیر ہے یا آخری حصہ میں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: "مثـل امتـی مثـل الـمـطـر لا يدرئ اولـه خيـر ام آخـره" (مسـنـد احـمـد عن عمار بن ياسر) میری امت کی مثال بارش کی سی ہے کہ نہیں معلوم اس کے پہلے بوند میں خیر ہے یا آخری بوند میں۔

بارش جب ہوتی ہے تو یہ پتہ نہیں چلتا ہے کہ اس کا ابتدائی حصہ پیڑ پودوں کے لئے مفید ثابت ہوا ہے یا آخری حصہ، اسی طرح سابقین اولین جنھوں نے معجزات کا مشاہدہ کیا اور آپ ﷺ کی دعوت پر لبیک کہا اور بعد میں آنے والے جو غیب پر ایمان لائے اور اپنے اسلاف کے نقشِ قدم پر چلے دونوں ہی خیر وبھلائی پر ہیں پہلے لوگوں نے اس دین کی جڑیں مضبوط کرنے اور راستہ ہموار کرنے کی محنت کی اور بعد والوں نے اس کی تہذیب اور آرائش کی کوشش کی اس لئے ہر ایک کی کوشش قابلِ قدر ہے اور سبھوں کو ثمرہ ملے گا۔ (فکر انگیز مثالیں از عبدالباسط ندوی ۱۶۰-۱۶۱)

گیارھویں خصوصیت: امت محمدیہ کے اولین وآخرین کے لئے جنت کی خوش خبری

جنت ہر مومن کا آخری ٹھکانہ ہے۔ جو بندہ صدقِ دل سے

کلمۂ شہادت اور کلمۂ طیبہ پڑھ لیتا ہے۔ ایک نہ ایک دن جنت میں ضرور داخل ہوگا۔ خواہ وہ امتی آنحضرت ﷺ کے زمانہ سے قریب کا ہو یا بعد میں کبھی پیدا ہوا ہو یا قیامت تک آنے والا معمولی اور ادنٰی مومن ہو، اس کا دخول بھی جنت میں ہوگا۔

"عن ابی امامة أن رسول الله ﷺ قال طوبیٰ لمن رآنی وطوبیٰ سبع مرات لمن لم یرنی و آمن بی (رواہ احمد) حضرت ابوامامہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مبارک بادی ہے اس شخص کو جس نے مجھ کو دیکھا اور مجھ پر ایمان لایا اور سات بار مبارک بادی ہے اس شخص کو جس نے مجھ کو نہیں دیکھا اور پھر مجھ پر ایمان لایا میری دعوت کی تصدیق کی"(احمد)

اس حدیث سے ان امتیوں کی فضیلت ثابت ہوتی ہے جو آنحضرت ﷺ کی ذات پر اور آپؐ کی نبوت و رسالت پر غائبانہ ایمان رکھتے ہیں، لیکن یہاں سات کے عدد کا تعین کس معنی میں ہے اس کا علم خدا اور خدا کے رسولؐ کے سپرد کرنا پڑتا ہے۔ ویسے یہ کہا جا سکتا ہے کہ کسی بات کو زیادہ سے زیادہ بلیغ انداز میں بیان کرنے کے لئے اور اس کی تکثیر کی خاطر چونکہ سات ہی کا عدد بابرکت ومتعارف ہے اس لئے آپؐ نے ذات رسالت پناہ پر ایمان بالغیب رکھنے والوں کو سات بار مبارک بادی، پس اس عدد سے تکثیر مراد لینی چاہیے نہ کہ تحدید۔(مظاہر حق جلد اول)

نبی کریم نے اس کی بشارت اور خوش خبری دی ہے۔ جس نے مجھے دیکھا اور مجھ پر ایمان لایا اس کے لئے خوشخبری (طوبیٰ) ہے اور سات مرتبہ یہ فرمایا اس شخص کے لئے بھی خوش خبری ہے، جس نے مجھے دیکھا اور مجھ پر ایمان لایا۔ حضور سے پوچھا گیا کہ "طوبیٰ" کیا چیز ہے تو فرمایا جنت میں ایک درخت ہے۔(مسند امام احمد بن حنبل)

اس حدیث سے یہ وضاحت ہوگئی کہ جنت میں اولین وآخرین ہر ایک کا دخول ہوگا بشرطیکہ اس کا کلمۂ طیبہ پر ایمان رہا ہو۔

بارھویں خصوصیت: امت محمدیہؐ اپنے نبیؐ کی بد دعا اور لعنت سے محفوظ ھے۔

ابوداؤد شریف ابواب الفتن میں حضرت امام ابوداؤدؒ نے یہ روایت نقل کی ہے کہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے تم کو بچایا ہے تین آفتوں سے ایک تو یہ کہ تمہارا نبی تم پر بد دعا کرے پھر تم سب ہلاک ہوجاؤ، دوسری یہ کہ باطل والے حق والوں پر غالب نہ ہوں گے۔ تیسری یہ کہ تم سب گمراہ نہ ہوگے۔

حدیث کے الفاظ اس طرح ہیں:

"......قال قال رسول الله إن الله أجاركم من ثلاث خلال: أن لا یدعو علیکم نبیکم فتهلكوا جمعیا وأن لا یظهر اهل الباطل علی اهل الحق وأن لا تجتمعوا علی ضلالة (ابو داؤد، باب ذکر الفتن)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بیشک اللہ عز وجل نے تم لوگوں کو تین آفتوں اور پریشانیوں سے نجات دے دیا پہلی چیز تو یہ ہے کہ تمہارا رسول تم پر بد دعا کرے اور تم سب ہلاک ہوجاؤ، دوسری چیز یہ کہ اہل باطل حق پر غالب نہ ہوں گے۔ تیسری چیز یہ کہ تم سب (اجتماعی طور پر) گمراہ نہ ہوگے۔

لیکن جب بنی اسرائیل نے نبی کے طریقہ کی اتباع پر اپنی خواہش اور نفس کے تقاضوں کی اتباع کو ترجیح دیا اور اس پر مصر بھی ہے اور ان کے اسی اصرار کی وجہ سے اللہ کی طرف سے ان کی گرفت کی گئی اور خود ان نبیوں نے لعنت بھیجی۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ولعن الذین کفروا من بنی اسرائیل علی لسان داؤد وعیسیٰ ابن مریم ذلك بما عصوا وکانوا یعتدون، کانوا لا یتناهون عن منكر فعلوه بئس ما کانوا یفعلون.

بنی اسرائیل میں سے جن لوگوں نے کفر کی راہ اختیار کی ان

پر داؤدؑ اور عیسیٰ بن مریم کی زبان سے لعنت کی گئی کیوں کہ وہ سرکش ہو گئے تھے اور زیادتیاں کرنے لگے تھے۔ انہوں نے ایک دوسرے کو برے افعال کے ارتکاب سے روکنا چھوڑ دیا تھا۔ برا طرزِ عمل تھا جو انہوں نے اختیار کیا۔

مذکورہ آیات سے یہ حقیقت آشکارہ ہو جاتی ہے اور ان آیات سے اس کا بخوبی علم ہو جاتا ہے کہ بنو اسرائیل کے کفر و معصیت اور لعنت و پھٹکار کی تاریخ طویل ہے، اور اس گمراہی سے نکالنے اور انہیں ہدایت دینے کے لئے جو بھی انبیاء اور رسول ان کے پاس بھیجے گئے بالآخر وہ خود ان پر لعنت کرنے لگے اور اللہ تعالیٰ کی ہدایت سے دھتکار دینے کی بد دعا کرنے پر مجبور ہو گئے، انہوں نے ان پر بد دعائیں کیں جسے اللہ نے سنا کہ وہ اپنے رسولوں نبیوں اور پیغمبروں کی دعاؤں و بددعاؤں کو رد نہیں کرتا بلکہ اسے ضرور قبول کرتا ہے، پھر ان پر لعنت اور اللہ کی ناراضگی مسلط ہو گی۔

امتِ محمدیہؐ پر اللہ کا خاص فضل اور کرم ہے کہ یہ امت اپنے نبیؐ کی بد دعا اور لعنت و ملامت سے ہمیشہ محفوظ رہی۔

تیرھویں خصوصیت: یہ امت کبھی بالکل نیست و نابود نہیں ہوگی

امت محمدیہ کے ساتھ اللہ رب العزت کا یہ خاص فضل و کرم ہے کہ یہ امت کبھی پوری طرح نیست و نابود نہیں ہوگی کہ ان کی جڑ کٹ جائے اور ان کا جتھا ٹوٹ جائے آنحضرت ﷺ نے اپنے پروردگار سے دعا کی کہ میری امت کو عام قحط سے ہلاک نہ کرے اور ان پر کوئی دشمن ایسا غلبہ نہ کرے کہ ان کا جتھا ٹوٹ جائے اور ان کی جڑ کٹ جائیں یعنی وہ بالکل نیست و نابود ہو جائیں میرے پروردگار نے فرمایا تیری یہ دعائیں قبول کیں۔ میں تیری امت کو عام قحط سے ہلاک نہ کروں گا نہ ان پر کوئی غیر دشمن جو ان میں سے نہ ہو ایسا غالب کروں گا جو ان کی جڑ کاٹ دے اگر چہ زمین کے تمام لوگ اکٹھے ہو جائیں۔ (مسلمانوں کو تباہ کرنے کے لئے ان کو بالکل تباہ نہ کر سکیں گے) یہاں تک کہ خود مسلمان ایک دوسرے کو ہلاک کریں گے اور ایک دوسرے کو قید و قتل کریں گے۔ (مسلم شریف ۲۸۸۵ باب ہلاک ھذہ الامۃ الخ)

ایک دوسری حدیث میں ہے جس کو حضرت امام ابو داؤد نے روایت کیا ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے تم کو بچایا ہے تین آفتوں سے ایک تو یہ کہ تمہارا نبی تم پر بد دعا کرے پھر تم سب ہلاک ہو جاؤ۔ دوسری یہ کہ باطل والے حق والوں پر کبھی غالب نہ ہوں گے تیسری یہ کہ تم سب گمراہ نہ ہو گے۔ (ابو داؤد باب ذکر الفتن)

چودھویں خصوصیت: امتِ محمدیہ کبھی گمراہی پر جمع نہیں ہو سکتی

اس امت کے فضائل میں یہ بھی ایک اہم اور بڑی فضیلت ہے کہ یہ امت ضلالت و گمراہی پر متفق نہیں ہو سکتی نیز اللہ تعالیٰ نے اس امت کو یہ خصوصی انعام دیا ہے کہ ان کی اتفاق رائے حجت و دلیل ہے اور ان کا کو شرعی اختلاف رحمت ہے جبکہ نفس اور خواہش کا دخل نہ ہو۔ جبکہ پہلی امتوں کا اختلاف عذاب کا باعث ہوا کرتا تھا۔

بعض اہل علم کا خیال ہے کہ اس امت کے غلطی پر متفق ہونے کی بات رسول اللہ ﷺ سے معنوی طور پر تواتر سے ثابت ہے۔ اس کے علاوہ سنجیدگی سے غور کرنے کی ضرورت ہے کہ کسی دور کے تمام فقہا مجتہدین جو علم و فہم اور ورع و تقویٰ ہر دو اعتبار سے اپنے عہد کے ممتاز ترین لوگ ہیں، کیا کسی ناقابل انکار دلیل شرعی اور ناقابل صرف نظرِ مصلحت کے بغیر ایک رائے پر متفق ہو سکے ہیں؟ یہ ناممکن ہے۔

یہ ممکن ہی نہیں ہے کہ جس امت میں اس معیار کے لوگ ہوں اور نبی کے سچے جانشین ہوں وہ امت کو اجتماعی طور بے پر راہ روی کا شکار ہونے دیں گے۔

(......جاری) ☆☆☆

فقہ اسلامی

تبدیلئ فتوی پر حالات کا اثر

رحمت اللہ ندوی (دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ)

تمہید:

شریعت اسلامی میں مصالح کی حد درجہ رعایت ہے، اس کی بنیاد اور اساس ان حکمتوں اور بندوں کی مصلحتوں پر ہیت جن کا تعلق دنیا و آخرت سے ہے، وہ سراپا عدل وانصاف سراپا رحمت، سراپا مصلحت وحکمت ہے، چنانچہ ہر وہ مسئلہ جو عدل سے ظلم، رحمت سے قسوت، مصلحت سے مفسدہ، حکمت سے عبث بن جائے اس کا تعلق شریعت سے نہیں، اگرچہ اسے تاویل کے ذریعہ شریعت کے دائرہ میں داخل ہی کیوں نہ کرلیا جائے۔

شریعت اسلامیہ کی رہنمائی ہر دور اور ہر ماحول، ہر عمر اور ہر حالت کے لئے ہے، اسی وجہ سے فتوی میں مختلف اسباب سے تبدیلی ہوتی رہتی ہے، جسے ناسمجھ لوگ نہیں سمجھ سکتے۔ علامہ ابن قیمؒ نے اس کی ایک مثال انکار منکر کی دی ہے کہ منکر اور اس کے مرتکب کی حالت کا اعتبار کرکے اس کا حکم اور درجہ کی تعیین ہوگی۔ (اعلام الموقعین جزء ثالث ص۲،۳)

احکام شریعت کے مقاصد:

نصوص کے جائزہ سے معلوم ہوتا ہے کہ احکام شریعت، بندوں کے مصالح کو بروئے کار لانے اور ان کے درمیان عدل قائم کرنے اور ان سے مظالم اور مفاسد کا ازالہ کرنے کے لئے آئے ہیں، لہذا نصوص کی تفسیر اور احکام کی تطبیق کے وقت اس پہلو کی رعایت ہونی چاہیے، فقیہ اور مفتی کسی ایک موقف پر ہمیشہ جمانہ رہے اور فتوی، تعلیم، تالیف اور تقنین (قانون سازی) میں اسی موقف کو اختیار نہ کرے، اگرچہ زمان، مکان، عرف اور حال تبدیل ہی کیوں نہ ہوجائے، بلکہ اس کے لئے شریعت کے مقاصد کلیہ اور اس کے عمومی اغراض واہداف کی رعایت، خصوصاً جزئیاتی امور میں حکم لگاتے وقت مناسب ہے۔

تبدیلی کا مفہوم:

تبدیلی اور تغییر ہم معنی ہیں، اور لغت واصلاح میں دونوں کا مفہوم ایک ہے، اسی سے نسخ ہے، موسوعہ فقہیہ میں ہے: "هو رفع حكم شرعي بدليل متأخر" (نسخ کہتے ہیں کسی حکم شرعی کو بعد میں آنے والی دلیل شرعی سے ختم کرنا۔) (الموسوعۃ الفقہیۃ ج۱۰، ص۵۱، مادہ تبدیل۔

اصول فقہ کی ایک اصطلاح ''بیان تبدیل'' ہے، بیان تبدیل یہ ہے کہ شریعت پہلے ایک حکم دے اور جب انسان کے لے وہ موزوں ہو اس پر چلنے دے پھر جب اس میں تبدیلی کی ضرورت پڑے تو اس کو بدل کر دوسرا حکم دے دے، اس کو ''نسخ'' بھی کہا جاتا ہے۔ (قاموس الفقہ ج۲، ص۴۰۹، ۴۱۰، مادہ تبدیل)

شیخ عبدالوہاب خلافؒ نسخِ احکام کی حکمت پر روشنی ڈالتے

ہوئے لکھتے ہیں کہ نسخ ہر شرعی اور وضعی قانون میں ہوتا ہے، کیوں کہ ہر قانون کا مقصد، مصالح اور اس کو پورا کرنا ہے، اور مصالح الناس ان کے حالات کے لحاظ سے بدلتے رہتے ہیں:

"ومصالح الناس قد تتغير بتغير أحوالهم، والحكم قد يشرع لتحقيق مصالح اقتضتها أسباب، فإذا زالت هذه الأسباب فلا مصلحة في بقاء الحكم" (علم أصول الفقه ص۲۲۲، القاعدہ الرابعۃ فی نسخ الحکم)

علامہ ابن قیم کا نقطۂ نظر

تبدیلیٔ فتوی کے سلسلہ میں علامہ ابن قیمؒ اور دیگر محققین نے یہ طے فرمایا ہے:

"ان الفتوى تتغير وتختلف باختلاف الأزمنة والأمكنة، والأحوال، والعوائد والنيات" فتوی زمانہ، جگہ، حالات، عرف وعادات اور مقاصد و نیات کے بدلنے سے تبدیل ہوتا رہتا ہے اور ہوتا رہے گا۔) (مدخل الدراسۃ الشریعۃ الاسلامیۃ للقرضاوی ص۲۰۰)

لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ شریعت کے تمام احکام فتوی کی تبدیلی قبول کرنے والے ہیں، کیوں کہ بعض احکام وہ ہیں جو ثابت شدہ، عمومی اور دائمی ہیں، ان میں تبدیلی کی کوئی گنجائش نہیں خواہ حالات وظروف کتنے ہی تبدیل ہوجائیں، اسی لئے علامہ ابن قیمؒ نے اپنی کتاب "إغاثة اللهفان" میں احکام کی دو قسمیں کی ہیں:

۱۔ پہلی قسم وہ احکام جو ایک ہی حالت پر قائم ہوں، ان میں کوئی تبدیلی نہ ہو، اور نہ ائمہ کے اجتہاد کی گنجائش ہو، جیسے واجبات کا وجوب، محرمات کی تحریم، جرائم پر شریعت کے مقرر کردہ حدود وغیرہ۔

۲۔ دوسری قسم ان احکام کی ہے جو مصلحت (زمان، مکان اور حال) کے لحاظ سے تبدیل ہوتے رہتے ہیں جیسے تعزیرات وغیرہ کہ ان میں مصلحت پیش نظر ہے۔ (مدخل الدراسۃ الشریعۃ الاسلامیۃ للقرضاوی ص۲۰۱،۲۰۲)

تبدیلیٔ فتوی کے اسباب:

زمان ومکان اور عرف وعادات اور احوال کے بدل جانے سے فتوی میں تبدیلی کی ضرورت پر تقریباً علماء کا اتفاق ہے، قدیم علماء کے مطابق فتوی کی تبدیلی کے وجوہ چار ہیں: (۱) تغییر مکان، (۲) تغییر زمان، (۳) تغییر حال، (۴) تغییر عرف

البتہ عصر حاضر کے محقق وفقیہ ڈاکٹر یوسف القرضاوی نے مزید چھ اسباب کا اضافہ کیا ہے، اور وہ یہ ہیں:

(۵) معلومات کی تبدیلی، (۶) لوگوں کی ضروریات کا بدل جانا، (۷) لوگوں کی صلاحیت اور ان کا تبدیل ہوجانا، (۸) عموم بلوی، (۹) اجتماعی، سیاسی اور معاشی صورت حال کی تبدیلی، (۱۰) رائے اور فکر کی تبدیلی۔

اس طرح فتوی کی تبدیلی کے کل دس اسباب ہوگئے، لیکن میرے موضوع کا تعلق ان میں سے صرف ایک سبب حالات کی تبدیلی ہے، اس لئے بحث اسی دائرہ میں محدود رہے گی۔

واضح رہے کہ اسلام میں فتوی کا ایک بلند مقام ہے، اس کا استخفاف کرنا جائز نہیں اور نہ ہی اس کی ذمہ داری ایسے شخص کے سپرد کرنا درست ہے جو فہم وفکر یا دین واخلاق کے اعتبار سے اس کا اہل نہ ہو۔

جیسا کہ اوپر ذکر آیا کہ شریعت کے محکم احکام میں کسی بھی حال میں کوئی تبدیلی نہیں ہوسکتی، صرف ظنی اور اجتہادی احکام میں تبدیلی اور اختلاف کی گنجائش ہے، احکام کی یہ تبدیلی شریعت اسلامیہ کی خصوصیات اور اس کے امتیازات میں سے ہے کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں ایسی شریعت عطا فرمائی ہے جس میں صلابت کے ساتھ لچک بھی ہے تا کہ امت سہولت سے محروم نہ ہو اور شریعت کسی عہد میں بھی رہنمائی سے عاجز اور

قاصر نہ رہے۔اس لئے کہ "النص معدودة والحوادث ممدودة" (نصوصِ احکام معدودے چند ہیں جبکہ نئے پیش آمدہ مسائل لامحدود ہیں۔)

تبدیلئ فتوی کے شرعی دلائل:

فتوی کی تبدیلی شرعی دلائل میں قرآن کی وہ متعدد آیات ہیں جن کے بارے میں بہت سے مفسرین نے لکھا ہے کہ یہ ناسخ ہیں اور یہ منسوخ۔

جبکہ بقول ڈاکٹر یوسف القرضاوی کے تحقیقی بات یہ ہے کہ نہ کوئی ناسخ ہے نہ منسوخ، بلکہ ہر آیت کا ایک محل ہے، وہ آیت اسی محل کے لئے ہے، بعض آیتوں میں ایک طرف عزیمت کا ذکر ہے اور دوسری طرف رخصت کا، یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ان میں سے ایک واجب حکم بتائی ہو، دوسری مستحب اور مندوب، یا ایک آیت حالت ضعف کے بارے میں ہو اور دوسری حالت قوت کے بارے میں، جیسے "يا أيها النبي حرض المؤمنين على القتال إن يكن منكم عشرون صابرون يغلبوا مأتين وإن يكن منكم مائة يغلبوا ألفا من الذين كفروا بأنهم قوم لا يفقهون، (اے نبی مومنوں کو جہاد پر ابھارو، اگر تم میں سے بیس آدمی صابر ہوں تو وہ دوسو پر غالب آئیں گے اور اگر سو آدمی ایسے ہوں تو وہ منکرین حق میں سے ہزار آدمیوں پر بھاری رہیں گے، کیوں کہ وہ ایسے لوگ ہیں جو سمجھ نہیں رکھتے۔)

اس کے بعد اگلی آیت میں جب صورتحال پہلے سے مختلف ہوگئی، فرمایا:

الآن خفف الله عنكم وعلم أن فيكم ضعفا فإن يكن منكم مائة صابرة يغلبوا مأتين وإن يكن منكم ألف يغلبوا ألفين بإذن الله، والله مع الصابرين" (انفال:٦٦)(مزید تفصیلات کے لئے کتب تفسیر دیکھیں خصوصاً تفسیر المنار ج١٠، بخاری کتاب التفسیر)

اسی طرح تبدیلئ فتوی کے متعدد شواہد کتب احادیث و سیرت میں موجود ہیں، مثلاً حدیث قبلة الصائم (روزہ دار کا بوسہ لینا) حدیث نہی عن ادخار لحوم الأضاحی (قربانی کے گوشت کے جمع کرنے کی ممانعت) حدیث نہی عن زیارۃ القبور (زیارت قبور سے ممانعت) یا وہ احادیث جن میں سائلین کے مختلف حالات کے پیش نظر ایک ہی سوال کے مختلف جوابات دیئے گئے ہیں جیسے لاتغضب، قل آمنت باللہ ثم استقم، أی الأعمال أفضل یا أی الأعمال خیر والی احادیث۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان کی مختصر وضاحت کردی جائے:

چند مثالیں:

(الف) روزہ دار کا بوسہ لینا: ابوداؤد میں حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے: إن رجلا سأل النبي ﷺ عن المباشرة للصائم فرخص له، وأتاه آخر فسأله فنهاه، فإذا الذي رخص له شيخ، وإذا الذي نهاه شاب" (ابوداؤد کتاب الصوم:٢٣٨٧)

الفاظ کے اختلاف کے ساتھ یہ حدیث مسند امام احمد میں حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاصؓ سے مروی ہے، روزہ کی حالت میں بیوی کو بوسہ لینے کا سوال بوڑھے شخص نے کیا تو حضور ﷺ نے اجازت دے دی، یہی سوال جب نوجوان نے کیا تو اسے منع فرمادیا، کیوں کہ نوجوان اپنے جذبات پر قابو نہیں پاسکتا جبکہ بوڑھا عموماً عمر ڈھلنے کے ساتھ ساتھ جذبات میں کمی آجانے کی وجہ سے اپنے اوپر قابو یافتہ ہوتا ہے۔

(ب) قربانی کے گوشت کا جمع کرنا: حضرت سلمہ بن اکوعؓ کی حدیث: "قال النبي ﷺ: من ضحى منكم فلا يصبحن بعد ثلاثة، ويبقى في

بیتہ منہ شیء، فلما کان العام المقبل قالوا: یا رسول اللہ: نفعل کما فعلنا فی العام الماضی؟ قال: کلوا وأطعموا، وادخروا، فإن ذلک العام کان بالناس جھد (أی شدة وأزمة) فأردت أن تعینوا فیھا" (بخاری کتاب الأضاحی:۵۵۶۹)

بعض روایات میں ہے"إنما نھیتکم من أھل الدافة التی دفت" (میں نے اس لئے منع کر دیا تھا کہ اس وقت مدینہ میں بہت سے لوگ آ گئے تھے، یعنی مدینہ یک بارگی بہت لوگ آ گئے تھے) اس کا مطلب یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے قربانی کے گوشت کو تین دن کے بعد بھی جمع رکھنے سے ایک خاص حالت میں اور ایک ہنگامی علت کی وجہ سے منع فرمایا تھا۔ جب یہ پیش آمدہ صورت حال ختم ہوگئی اور یہ ہنگامی علت باقی نہیں رہی تو وہ حکم بھی ختم ہوگیا جو اس وقت آپ ﷺ نے دیا تھا، اس لئے منطق کا قاعدہ ہے کہ معلول، عدم اور وجود میں علت کے تابع ہوتا ہے، اگر سب کو ایک ہی دن میں تقسیم کئے بغیر ضرورت پوری نہ ہو رہی ہو تو ایک رات کے لئے بھی جمع کرنا جائز نہ ہوگا۔ (فتح الباری ۱۲/۱۲۰،۱۲۵)

اسی طرح زیارت قبور سے شروع میں منع فرمایا دیا تھا، بعد میں اجازت دے دی، "کنت نھیتکم عن زیارة القبور، فزوروھا" (مسلم:۹۷۷)

علت کے مرتفع ہونے سے حکم مرتفع ہوا ہو تو علت کے دوبارہ آجانے سے وہ حکم بھی لوٹ آئے گا، (تفسیر قرطبی ۱۲/۴۷،۴۸)

(ج) ایک سوال کے مختلف جوابات:

سائلین کے مختلف حالات کے اعتبار سے ایک ہی سوال کے مختلف جوابات ہر ایک کے مناسب حال دیتے۔ مثلاً ایک شخص کسی جامع وصیت کی درخواست کی تو فرمایا: لا تغضب، (بخاری الأدب:۶۱۱۶) دوسرے سے کہا: قل آمنت باللہ ثم استقم، اسی طرح حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی حدیث ہے: سئل رسول اللہ ﷺ: أی الأعمال أفضل؟ أو أی الأعمال خیر؟ قال: الإیمان باللہ ورسولہ، قیل: ثم أی شیء؟ قال: الجھاد سنام العمل، قیل: ثم أی شیء؟ قال: حج مبرور، (متفق علیه)

یہ اور اس کے علاوہ بہت ساری احادیث اس بات کی اصل ہیں کہ سائلین کے احوال کی تبدیلی سے جواب یا فتوی بھی تبدیل ہو جاتا ہے۔

عھد صحابہ مین فتوی کی تبدیلی

فتوی کی تبدیلی کا ثبوت صحابہ کرام اور خلفاء راشدین کی سیرت سے بھی ہے اور اس کی بہت سی مثالیں مختلف مراجع میں موجود ہیں، مثلاً صدقۂ فطر کے بارے میں صحابہ کے فتوی میں تبدیلی، گھوڑے کی زکوۃ میں حضرت عمرؓ کے فتوی کا تبدیل ہونا۔

عھد تابعین میں تبدیلئ فتوی

عہد تابعین میں ہم کو تبدیلئ فتوی کی چند مثالیں ملتی ہیں، مثلاً: سامان تجارت کے ریٹ کا تعین کرنے کی اجازت، تاکہ جمہور اور عوام الناس سے ضرر کا ازالہ کیا جا سکے، یا یہ کہ حضرت عمر بن عبد العزیزؒ مدینہ کے جب امیر تھے تو ایک گواہ اور یمین کی بنیاد پر فیصلہ کرتے تھے، لیکن جب شام آتے تو صرف دو گواہوں کی شہادت ہی قبول کرتے تھے کیوں کہ وہاں لوگوں کے حالات مدینہ والوں کے حالات سے مختلف تھے۔ ان کا مشہور مقولہ ہے: "تحدث للناس أقضیته بقدر ما أحدثوا من فجور" (لوگوں کے لئے مسائل اتنے ہی پیدا ہوگئے ہیں جتنا انہوں نے فجور پیدا کر دیا ہے۔)

اسی قبیل سے وہ مثال بھی ہے جو امام ابوحنیفہؒ کے تعلق سے بیان کی جاتی ہے کہ وہ امام صاحب اپنے دور (عہد تبع تابعین) میں مستور الحال کی شہادت پر فیصلہ کی اور جازت دیتے تھے، صرف اس کے ظاہری عدالت پر اکتفا کرتے ہوئے، جبکہ صاحبین نے اپنے دور میں اسے منع کر دیا کیوں کہ لوگوں میں کذب بہت پھیل اور بڑھ گیا تھا۔ علماء احناف امام صاحب اور صاحبین کے مابین اس نوعیت کے اختلاف کے بارے میں کہتے ہیں: "إنه اختلاف عصرو زمان لا اختلاف حجة وبرهان" (یہ عہد اور زمانہ کا اختلاف ہے، دلیل وحجت کا اختلاف نہیں) (علم اصول الفقہ للخلاف ص۹۱، فی بیان العرف)

متأخرین فقہاء کا دور

یہی وجہ ہے کہ متاخرین فقہاء احناف نے اپنے ائمہ اور ان میں متقدمین کی تصریح کے خلاف چند مسائل میں اختلاف کیا ہے اور بنیاد زمان اور حال کی تبدیلی ہے، کیوں کہ بقول علامہ شامی اگر ان احکام کو جوں کا توں اختیار کر لیا جائے تو لوگوں کو تو مشقت اور ضرر لاحق ہوگا، اور یہ شریعت کے ان قواعد کے خلاف بھی ہوگا جن کی نبیاد تخفیف وتیسیر، دفع مضرت اور ازالۂ مفسدہ پر ہے۔

اس سلسلہ میں ایک دلچسپ واقعہ شیخ ابو محمد بن ابی زید قیروانی کا ہے، جو فقہ مالکی کی مشہور کتاب ''الرسالہ'' کے مؤلف ہیں، ان کے بارے میں لوگوں نے نقل کیا ہے کہ ان کے گھر کی ایک دیوار منہدم ہوگئی اور ان کو بعض گروہوں کی طرف سے اپنے اوپر اندیشہ لاحق ہوا، لہذا انہوں نے نگرانی کے لئے ایک کتا لے لیا اور اسے گھر میں باندھ دیا، جب ان سے کہا گیا کہ امام مالکؒ نے تو اس کو مکروہ قرار دیا ہے، فرمایا: امام مالک نے کس سے بیان کیا ہے؟ اگر امام مالک تمہارا زمانہ پاتے تو کتے کے بجائے ایک خونخوار شیر پالتے۔ (مدخل لدارسۃ الشریعۃ الإسلامیۃ ص۲۲۷،۲۲۹)

فتوی کی تبدیلی پر حالات کا اثر

فتوی کی تبدیلی کے اسباب میں سے ایک سبب ''حالات کی تبدیلی'' ہے، اس سبب کا ذکر ہمارے اسلاف نے کیا ہے، کیوں کہ تنگی کے حالات اور وسعت کے حالات مختلف ہوتے ہیں، مرض اور صحت کی کیفیت الگ ہوتی ہے، اسی طرح سفر وحضر، جنگ وصلح، خوف وامن، قوت وضعف، پیری وجوانی، شہری ودیہی اور تعلیم یافتہ وغیر تعلیم یافتہ کے حالات جدا جدا ہوتے ہیں، کامیاب مفتی وہ ہے جو ان احوال کی اپنے فتوی میں رعایت رکھے اور حالات کے فرق وتبدیلی کو محسوس کرے، اور ایک ہی حکم اور موقف پر قائم نہ رہے، ذیل میں نمونے کے طور پر چند مثالیں درج کی جاتی ہیں:

چند مثالیں سیرت طیبہ سے

مکہ مکرمہ میں رسول اللہ ﷺ صحابہ کو مکہ میں دفاع میں لڑنے کے لئے بھی ہتھیار لے کر چلنے سے منع کرتے تھے، جب مدینہ منورہ کی طرف ہجرت ہوئی اور مسلمانوں کا اپنا ایک ملک بن گیا، تب اللہ تعالیٰ نے ان کو جنگ کرنے کی اجازت دے دی۔

رسول اللہ ﷺ صحابہ کرامؓ کے احوال کی رعایت فرماتے تھے اور کمزروں کے معاملہ میں ایسی تخفیف کا رویہ اختیار کرتے تھے جو طاقتور لوگوں کے لئے نہیں تھا، دیہات میں رہنے والوں کے لئے بھی ایسی آسانیاں تھیں جو شہر میں رہنے والوں کے لئے نہیں تھیں، جیسے مسجد نبوی میں ایک اعرابی کے پیشاب کرنے کا واقعہ۔ (بخاری باب الوضوء: ۲۲۰)

روزہ دار کا بوسہ لینا، نماز میں کمزروں، بیماروں، اور ضرورت مندوں کی رعایت میں تخفیف سے کام لینا، یا بچہ کے رونے کی آواز سن کر نماز مختصر کر دینا تا کہ بچہ کی ماں کا دل

تشویش میں نہ پڑے۔(مرقاۃ المفاتیح، ج ۳، ص ۹۲، ۹۳)

اسی طرح حضرت ابن عباسؓ کا قاتل کے لئے توبہ کے سلسلہ میں فتوی، کہ دو مختلف شخصوں کو ایک ہی سوال کا جواب الگ الگ دیا، اور وجہ یہ بیان فرمائی کہ ایک شخص نے قتل کا کام انجام نہیں دیا تھا، وہ پیشگی فتوی کو وجہ جواز کے طور پر حاصل کرنا چاہتا تھا اس لئے میں نے اس کو جواب دیا کہ قاتل کے لئے توبہ نہیں ہے، دوسرے نے قتل کی واردات انجام دینے کے بعد بحالت پشیمانی سوال کیا تھا، اگر نفی میں جواب دیا جاتا تو وہ مایوس ہوجاتا، اس لئے فرمایا: قاتل کے لئے توبہ ہے۔(مدخل لدراسۃ الشریعۃ الإسلامیۃ، ص ۲۶۶/ عصر حاضر میں فتوی کی تبدیلی کے اسباب ص ۳۲، کتاب الفتاوی ج ۱، ص ۲۵۸)

حضرت ابن عباسؓ کے اس واقعہ سے استدلال کرتے ہوئے علماء نے فرمایا ہے کہ کسی گناہ میں مبتلا ہونے سے قبل کا فتوی، مبتلا ہونے کے بعد کے فتوی سے مختلف ہوگا۔

عصر حاضر کے چند جدید مسائل پر حالات کا اثر:

علامہ یوسف القرضاوی کا نظریہ ان مسلمانوں کے بارے میں جو غیر مسلم معاشرہ میں بطور اقلیت رہتے ہیں، یہ ہے کہ ان کی صورت حال ان مسلمانوں سے الگ ہوگی جو اسلامی معاشرہ میں رہتے ہیں، لہذا اقلیت میں رہنے والوں کا تقاضا ہے کہ ان کے ساتھ سہولت اور آسانی کا رویہ اختیار کیا جائے تاکہ وہ اس معاشرہ میں اسلام کے مطابق زندگی گزار سکیں۔

احوال کی تبدیلی سے فتاوی میں تبدیلی کی ایک مثال اجنبی ممالک میں شہریت اختیار کرنا بھی ہے، بعض علماء جیسے شیخ حسن البناءؒ وغیرہ کا رویہ بہت شدید وہ اس کو قطعی حرام کہتے اور گناہ کبیرہ شمار کرتے تھے بلکہ اس کے کرنے والے کو کفر صریح اور ارتداد کا مرتکب قرار دیتے تھے۔

علامہ یوسف قرضاوی نے لکھا ہے:

''میری رائے اس سلسلہ میں اور شدید ہے، میرے خیال میں بعض اوقات غیر اسلامی ممالک کی شہریت اختیار کرنا اللہ اور رسول سے خیانت کے مترادف ہوجاتا ہے، مثلا حالت جنگ میں کسی مسلمان کا درالاسلام کو چھوڑ کر دارالحرب جانا......لیکن عام حالات میں بہت سے مسلمان کو غیر مسلم ممالک کی طرف سفر کی ضرورت درپیش ہوتی ہے، ان کو تحفظ کے طور پر ان ممالک کی شہریت ملتی ہے، انتظامیہ ان کو نکال نہیں سکتی، ان کو مجلس قانون ساز میں، بلدیہ میں اور صدارتی انتخابات میں حصہ لینے کا حق ملتا ہے اس کی وجہ سے ان ممالک میں مسلمانوں کو قوت حاصل ہوجاتی ہے، امیدوار ان کی توجہ اور ان کے ووٹ حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں، اس لئے کسی ملک کی شہریت فی نفسہ خیر ہے نہ شر ہے، بلکہ ان ممالک کی شہریت میں اگر خیر و شر کا معیار کوئی ہے تو عام مسلمانوں کا نفع یا ان کا نقصان ہے۔'' (عصر حاضر میں فتوی کی تبدیلی کے اسباب ص ۳۳)

شہریت سے متعلق آل انڈیا اسلامک فقہ اکیڈمی نے غیر مسلم ممالک میں شہریت اختیار کرنے میں بعض صورتوں میں کچھ شرطوں کے ساتھ جواز کا موقف اپنایا ہے۔(تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو نئے مسائل اور فقہ اکیڈمی کے فیصلے ص ۲۶۰/۲۶۱)

موجودہ دور میں فقہ اکیڈمیاں اور فقہاء وعلماء کی کمیٹیاں اور بورڈ جو مختلف ملکوں میں مسلمانوں کو نئے پیش آمدہ مسائل کا حل بتانے کے لئے قائم اور سرگرم عمل ہیں، وہ بھی حالات اور تقاضوں کو سامنے رکھ کر ہی فیصلے لیتی اور

(......**بقیہ صفحہ نمبر ٦٤ پر**......)

فکر اسلامی (قسط-۷)

مفکر اسلام- ایک مطالعہ

ڈاکٹرمحمد طارق ایوبی ندوی

اصل طاقت ایمان کی ہے

۱۹۹۰ء میں عراق نے کویت پر جو حملہ و قبضہ کیا اس کے نتیجہ میں جو خطرات و حالات پیدا ہوئے اس پر غور و خوض کیلئے رابطہ عالم اسلامی کی بڑے پیمانہ پر کانفرنس بلائی گئی، مولانا نے مجمع کو دیکھتے ہوئے آخری اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے اسلام کا ماحصل اور اپنے فکر کا مغز پیش کر کے پیغام دیا اور کمزوری کے اصل سبب کی نشاندہی کی:۔

''پھر میں نے عرض کیا کہ ہمیں اللہ کی رحمت سے مایوس نہیں ہونا چاہئے لیکن اس کے لئے ضرورت ہے کہ جیسا کہ بعض مقررین اور علماء نے بھی فرمایا، امت مسلمہ کی ایمانی بیٹری کو پھر چارج کرنا چاہئے ایمان کے (SELLS) بھی موجود ہیں اور امت کی بیٹری بھی لیکن ان دونوں کو مغرب سے حاصل کردہ نظامِ تعلیم اور مغربی تہذیب کے اثر اور مادیت و غفلت نے ایک دوسرے سے جدا کر رکھا ہے، ضرورت ہے کہ یہ ٹارچ پھر سے بھری جائے اور اس میں وہ غیر فانی ، ایمانی مسالہ (سیلس) فٹ کئے جائیں، جو اس امت کی اصل طاقت اور اللہ تعالی کی طرف سے نصرت کی شرط ہے، آپ یہاں سے یہ پیغام اور عزم لے کر جایئے کہ مسلمانوں میں پھر نیا دینی جذبہ اور ایمان کا شعلہ پیدا کرنا ہے جو ان تمام خطرات اور حوادث سے حفاظت کا اصل ذریعہ اور امت کی خصوصیت ہے۔'' (کاروان زندگی۔ج۔۴،ص۳۰۳)

اسراف اور مادیت کی ہلاکت

ایک داعی اور مفکر کا ذہن ہر اعتبار سے سوچتا ہے اور مسلسل غور و خوض میں رہتا ہے، زندہ دلی کی یہی دلیل ہے، اور بیدار مغزی کے ساتھ ملی تڑپ کی یہ شہادت ہے کہ حضرت مولانا مسئلہ کے ہر پہلو پر غور و خوض کرتے تھے اور ملت اسلامیہ کی سر بلندی کے لئے ہر حال میں کوشاں رہتے تھے، چنانچہ عراق و کویت پر حملہ و قبضہ کے بعد جہاں رابطہ کی مؤتمر میں اس کو عراق کا غیر اخلاقی وغیر اسلامی عمل قرار دیا وہیں اشاروں میں اسی مقالہ میں احیائے دین اور اصلاح حال کی تحریک نیز ترف و سرف کی زندگی کو تبدیل کرنے کی ضرورت کا بھی اشارہ دیا گیا ،ظاہر ہے کہ اس وقت صورت حال اس کی اجازت نہیں دیتی تھی کہ اس کو تفصیل سے بیان کیا جاتا، ممکن ہے اس سے سیاسی فائدہ بھی اٹھایا جاتا اور حملہ آور کو دلیل بھی مل جاتی، لیکن مولانا کو فوراً چند دن میں ہی یہ خیال ستانے لگا کہ اس پہلو سے اس وقت ان کو پیغام دینا ضروری ہے اور یہ بتانا ضروری ہے کہ یہ طرز زندگی نہ حفاظت کی ضمانت دیتا ہے اور نہ اس سے قیادت ممکن ہے اور نہ اس میں طاقت و قوت کا سامان ہے:

''طبیعت میں یہ تقاضہ پیدا ہوا کہ ہندوستان واپس جا کر اپنے عرب بھائیوں اور دوستوں، عرب حکومتوں اور وہاں کی اصلاحی و دعوتی تحریکوں کے ذمہ داروں کو بالعموم، اور مملکت کے اصحابِ فکر و ارباب خلوص کو بالخصوص مستقبل کے خطرات سے

آگاہ کرنے ،واقعات سے صحیح نتیجہ نکالنے اور حقائق و ضروریات پر توجہ دینے اور اس طرز زندگی اور ماحول کو بدلنے اور دولت اور فراغت کے ان مظاہر و مناظر کو محدود کرنے کی دعوت دی جائے ،جن کو دیکھ کر بد اندیشیوں اور وسائل سے محروم ہمسایہ ممالک کے منہ میں پانی بھر آتا ہے،اور اس پر وہ للچائی ہوئی نگاہیں ڈالتے ہیں۔

اسی کے ساتھ وہ زندگی اختیار کی جائے جس پر خدا کی طرف سے نصرت ہوتی ہے، بلکہ اس سے آگے بڑھ کر عرب عالم اسلام بلکہ عالم انسانی کا وہ منصب قیادت سنبھالیں جو اسلام کی تعلیمات،عرب میں بعثت نبویؐ اور ان کی قدیم تاریخ اور کارنامہ سے مطابقت رکھتا ہے،اور وہ اس کے سب سے زیادہ حقدار،اور بعض خصوصیتوں کی بنا پر اس پر سب سے زیادہ قادر ہیں۔'' (کاروان زندگی۔ج۴۔ص،۲۱۲۔۲۱۳)

بالآخر ہندوستان آکر مولانا نے اپنی کتاب ''انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج وزوال کا اثر'' کے آخری باب جو عالم عربی کی قیادت سے متعلق ہے ایک مستقل رسالہ کی شکل میں ''عرب اپنے شایان شان منصب قیادت کیسے واپس لے سکتے ہیں اور کیسے اس کو باقی رکھ سکتے ہیں'' کے عنوان سے طبع کرا کر عالم عربی میں پہونچایا،اس کے مندرجات بڑے اہم اور فیصلہ کن ہیں:۔

۱۔عالم عربی کی اہمیت۔

۲۔محمد رسول اللہؐ عالم عربی کی روح ہیں۔

۳۔ایمان عالم عربی کی اصل طاقت ہے۔

۴۔شہسواری اور فوجی زندگی کی اہمیت۔

۵۔طبقاتی تفاوت اور اسراف کا مقابلہ۔

۶۔تجارت اور مالی نظام میں خود مختاری۔

۷۔انسانیت کی سعادت کے لئے عربوں کی ذاتی قربانی کی ضرورت۔

۸۔عالم اسلامی کی توقع عالم عربی سے۔

(کاروان زندگی۔ج۴۔ص،۳۱۴)

حکمت سے پُر اور تنقید سے لبریز

خطاب: ملک فہد کو اپنے خط سے مخاطب کرتے ہوئے عمر بن عبدالعزیز کا تذکرہ کیا اور یوں لکھا:

''عالم اسلام کی نگاہیں اس وقت ایسے شخص پر لگی ہوئی ہیں، جو سیدنا عمر بن عبدالعزیز کا رول ادا کرے، جنھوں نے پہلی صدی ہجری کے اواخر میں صرف ڈھائی سال کی مختصر مدت میں اپنے اخلاص، فیصلہ کن عزم و ارادہ، زہد و تقشّف، سادہ مثالی زندگی ، اعلی اخلاقی قدروں پر مضبوطی اور استقلال سے جمے رہنے کی بدولت وسیع ترین اسلامی معاشرے کو تبدیل کر کے رکھ دیا، اور صالح حکومت قائم کرنے، اس کو نفس اور خواہشات کی غلامی اور تعیش پسند قوموں کی تقلید و پیروی سے نکال کر معتدل اور متوازن اسلامی طرز معیشت اختیار کرنے اور آخرت کو ترجیح دینے میں کامیاب ہو گئے''

(کاروان زندگی ج۵ ص۲۷-۲۸)

ایمان و حکمت

اسی خط میں دوسری مثال صلاح الدین ایوبی کی دی:

''عالم اسلام کے لئے دوسری مثالی شخصیت مجاہد اسلام سلطان صلاح الدین ایوبی کی ہے، جنھوں نے چھٹی صدی ہجری میں صلیبیوں کی کمر توڑ کر رکھ دی تھی،اور محض اپنے گہرے اور طاقتور ایمان، غیر متزلزل یقین، جہاد کے والہانہ عشق، اپنی پاکیزہ اسلامی سیرت، زاہدانہ زندگی، اور قائدانہ وحکیمانہ طرز عمل کے ذریعہ بیت المقدس اور فلسطین کو بازیاب کرنے اور وسیع اسلامی ممالک اور بلاد مقدسہ اور عرب ملکوں کو دشمنوں سے محفوظ کرنے میں کامیاب رہے''۔(کاروان زندگی ج۵ ص۲۸)

اسلام هی اساس هے

''اسلام ہی عرب کی اساس اور بنیاد ہے، اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عالم عربی کی روح اور اس کے قائد وامام ہیں، ایمان کی طاقت ہی عربوں کی اصل طاقت ہے، جس نے تاریخ میں معجزانہ کردار ادا کیا۔'' (کاروان زندگی ج۵ص۳۷)

دعوت کے لئے حکمت اور علم کی ضرورت:

ترکی کے اپنے ۱۹۹۳ء کے ایک سفر میں جب مولانا کو عوامی خطاب کا موقع ملا جس کو خود مولانا نے حاصل سفر کہا ہے تو مولانا نے ایسی بلندی سے فکری باتیں کی جو کسی بھی حس رکھنے والی قوم کو جھنجھوڑنے کے لئے کافی ہیں، ایک آیت پڑھ کر ان کے ماضی کا تذکرہ کیا اور خلافت کے دفاع میں ہندوستانیوں کی جدوجہد اور قربانیوں کا ذکر کیا اور اسی دوران وہ بات بھی کہہ دی جو اصل تھی چنانچہ یوں آغاز کیا:

''وما كان الله ليضيع ايمانكم، ان الله بالناس لرؤوف رحيم''

ترجمہ: اور خدا ایسا نہیں کہ تمہارے ایمان کو یونہی کھودے، خدا لوگوں پر بڑا مہربان (اور) صاحب رحمت ہے

اور مزید آگے گفتگو کرتے ہوئے یوں فرمایا:

''ترکی کی اس شاندار ماضی رکھنے والی قوم، اور حمیت و حمایتِ اسلامی کے جذبہ سے معمور اسلاف کے جانشین اور شاندار تاریخ کی حامل قوم، دولت اسلام اور ایمان کی نئی بہار اور خدمتِ اسلام کے لئے مواقع سے محروم نہیں کی جائے گی، قران مجید کی ان آیات اور بیان کئے ہوئے واقعات سے یہی سبق ملتا ہے اور تسکین ہوتی ہے۔

پھر عرض کیا گیا کہ اس کے لئے شریعتِ اسلامی کی تعلیمات اور قانونِ قدرت کے مطابق خود بھی جدوجہد کرنی پڑے گی، آپ گھروں میں وہ فضا اور ماحول پیدا کیجئے، سیرتِ نبویؐ اسوۂ صحابہؓ کے ساتھ ترک فاتحین ومجاہدین اور اصحابِ غیرت ایمانی کے واقعات بچوں کو سنایئے، اور دین کی تعلیم دیجئے، پھر آزاد دینی مکاتب ومدارس کا جال پھیلا دیجئے، اس سلسلہ میں ہم نے ہندوستان میں نئی نسل کے دینی وتعلیمی تربیت کے لئے جو کوششیں کی جارہی ہیں، اور مسلمانوں کو ثقافتی، تہذیبی اور لسانی نسل کشی سے بچانے کے لئے جو جدوجہد اور اقدامات عمل میں آرہے ہیں، اس کا تذکرہ کیا۔'' (کاروان زندگی ج۵ص۲۳۱-۲۳۲)

عرب ممالک کے حکمرانوں کو اسلام سے خوف:

راقم نے ابھی کچھ عرصہ قبل ہی لکھا تھا کہ عرب ممالک اسلام کے تئیں جو کردار ادا کر رہے ہیں کہیں ہندوستانی عدالت اس کو مثال نہ بنائے، بار بار اپنی ذاتی گفتگو میں دہرایا، حیرت واستعجاب کی انتہا نہ رہی جب کاروان زندگی کی پانچویں جلد کے ص۳۱۷ پر مولانا کا طویل مضمون بعنوان ''ایک المناک حقیقت اور اس کے ازالہ کے لئے امکانی جدوجہد'' پر نظر پڑی، مولانا نے اپنا تجزیہ پیش کیا ہے اور سخت کرب وخطر کا اظہار کیا ہے کہ اسلامی اقتدار سے خوف وہراس اس حد تک بڑھ گیا ہے کہ حکومتیں اب معاشرت کو بھی شریعت کے تابع بنانے کے لئے تیار نہیں، اس طویل مضمون میں جہاں مولانا نے اس خطرے کا اظہار کیا ہے وہیں اس کے تدارک اور خود اس کے پیدا ہونے کے اسباب کا تجزیہ کیا ہے، ظاہر ہے کہ اس وقت یہ مسئلہ اور حساس ہوگیا ہے، یہ یاد رکھنا چاہیے کہ مولانا اسلام کو اصحاب اقتدار تک پہنچانے کی فکر رکھتے تھے بہ مقابلہ اس کے اہل اسلام کرسی حاصل کریں، لیکن ہم نے ذکر کیا کہ وہ اس کے منکر بھی نہ تھے بلکہ ان ہی کے جد امجد نے اس فکر کی نمائندگی کی ہے پہلے اس مضمون کا ابتدائی اقتباس دیکھیے اور یہ اندازہ کیجئے کہ اس وقت ہی حالات کیسے سنگین ہو چکے

تھے اور اسلام سے اصحاب اقتدار میں کیسا خوف تھا اور اس کو وہ کس طرح معاشرے، فرد اور جماعت سے دور رکھنا چاہتے تھے، لیکن ظاہر ہے کہ اسلام کو اقتدار تک پہنچنا ہے، کوشش کرنے والوں نے کوششیں کیں اور کئی ملکوں میں یکے بعد دیگرے تحریک چلی لیکن خدشات کا مولانا نے بہت پہلے اظہار کیا وہ سب سامنے آئے اور اسلام سے جو خوف اہل اقتدار کو تھا، وہ مشاہدے میں آیا اور یہی نہیں اس خوف کا سب سے زیادہ تجربہ اس ملک سے ہوا جو بظاہر اپنے کو لیپا پوتی کے ذریعہ اسلامی ملک اور اسلامی حکومت باور کراتے ہیں:

''جن قارئین کتاب کی دول عربیہ (ممالک عربیہ) کے موجودہ حالات پر وسیع اور گہری نظر ہے، ان کو براہ راست وہاں کا سفر کرنے اور کبھی کبھی معتد بہ قیام کرنے کی نوبت آئی ہے، یا وہاں کے اخبارات ورسائل اور وہاں سے شائع ہونے والے لٹریچر پر ان کی مسلسل اور گہری نظر ہے اور اس کے ساتھ ان ملکوں کے ''انتظامیہ'' اور حکمراں جماعتوں یا قانون ساز اداروں کے رجحانات، اقدامات، اعلانات اور تشکیل نو کے منصوبوں اور عزائم سے واقف ہونے کا ان کو موقع ملتا ہے، وہ اس حقیقت سے واقف ہیں کہ ان ملکوں کے اصحابِ اقتدار (اور کسی حد تک قائدین واہل فکر) میں کچھ عرصہ سے ''اسلامی اقتدار کے لئے جدو جہد'' سے ایک خوف و ہراس، نزاکتِ احساس جس کو ہم ادباً اگر ''توہم'' و''اختلاج'' سے تعبیر نہ کریں تو ضرورت سے زیادہ احساس خطر'' اور ''شدتِ اندیشہ'' سے تعبیر کر سکتے ہیں جس کو انگریزی میں (Allergy) اور عربی میں ''حساسیۃ زائدۃ'' سے تعبیر کرتے ہیں، یہ طرز فکر اور نفسیاتی کیفیت بڑھتے بڑھتے اس حد پہنچ گئی ہے کہ وہ اسلام کے حدود وتعزیرات کے نافذ کرنے کے مطالبہ، معاشرہ کو اسلامی قالب میں ڈھالنے، نظام تعلیم، ذرائع ابلاغ، اور قانون سازی کو شریعتِ اسلامیہ کے تابع بنانے کی تحریک ودعوت اور سعی وجد جہد سے خائف ہونے پر منحصر نہیں رہ گئی ہے، کہیں کہیں عام دینداری، فرائض کی شدت و اہتمام سے پابندی، مغربی تہذیب کی اندھی تقلید سے بیزاری، بعض اہم اسلامی شعائر کے اعلان واحترام کے مظاہرہ ومطالبہ سے بھی خائف ہونے کی حد شروع ہوگئی ہے، اور اس حقیقت کے شاہد بعض عرب ملکوں کے وہ اعلانات واقدامات ہیں جن کا ذکر کرنے سے ندامت وشرمندگی کے علاوہ اس بات کا بھی اندیشہ پیدا ہوتا ہے کہ غیر اسلامی ملکوں اور خصوصا برصغیر ہند میں مسلمانوں کو مذہبی آزادی دینے میں فرق نہ پڑ جائے اور ان کے بعض فرائض شرعی اور قوانین اسلامی (مثلا مسلمانوں کے اپنے عائلی قانون (Personal law) پر عمل کرنے کی مخالفت اور اس کے بالمقابل ان کو غیر اسلامی قانون کے تابع بنانے مثلا یونیفارم سول کوڈ (Uniform code) کے نافذ کرنے کا جواز نہ پیدا ہوجائے جس کو مسلمانوں نے اپنی عمومی جدو جہد اور ہمہ گیر تحریک کے ذریعہ ناکام بنا دیا تھا، اور پارلیمنٹ نے سپریم کورٹ کے فیصلہ کے خلاف مسلمانوں کے عائلی قانون کی بقا اور تحفظ کا فیصلہ کیا تھا، جس کی تفصیل اوپر کے صفحات میں گزر چکی ہے۔ (کاروان زندگی ج۵ ص۳۱۸)

اس صورت حال کے پیدا ہونے اور اس کے تدارک کے اسباب سے بحث کرتے ہوئے بالاخر اس حقیقت کا بھی اظہار فرمادیا:

''ایک اظہارِ حقیقت اور احتسابِ نفس کے تقاضے سے اس کا اعتراف کیا جاتا ہے کہ بہت سی دینی دعوتوں اور تحریکوں نے اس معاملہ میں عجلت سے کام لیا اور ان کے قائدین کے بعض اقدامات واعلانات، اور اس سے زیادہ ان کے تابعین اور ترجمانوں نے غیر ضروری طریقہ پر بعض اسلامی حکومتوں کو اپنا حریف بنا لیا، بعض اسلامی وعرب ملکوں میں اسی

چیز نے ان کو اسلامی بیداری اور اسلام و دین کے نام پر جماعت سازی سے خائف بنا دیا، جن کا اثر ورسوخ ان ملکوں میں بڑھتا جارہا تھا، یہاں تک کہ جماعت کو خلاف قانون قرار دینے اور اس کے ارکان کے قید و بند کا مرحلہ پیش آ گیا، شہادت بالحق کے طور پر کہا جاتا ہے کہ اس میں ان جماعتوں اور ان کے قائدین کا قصور کم، اہل حکومت کے توہمات کا جس کو کسی شاعر نے اس بلیغ مصرعہ میں ادا کیا ہے: ''عشق است و ہزار بدگمانی'' (کاروان زندگی ج۵ ص۳۲۳)

یہاں مولانا نے سخت تنقیدیں بھی کی ہیں اور اصحاب اقتدار کو صریح مومنانہ مشورے بھی دیے ہیں اور ان سازشوں کا بھی ذکر کیا ہے جن میں گھر کردہ اسلام بیزار ہو چکے تھے، لیکن ظاہر ہے کہ جبر و استبداد اور عیش و آرام بلکہ تعیش کی عادت منہ لگ جائے تو بہت دیر لگتی ہے سمجھنے اور سمجھانے میں، اور اس کی بڑی وجہ اس دور میں خاص طور پر ایسے لوگوں میں نفاق کا بے حد وحساب پایا جانا ہے، وہ اپنے اقتدار کو بچانے کے لئے نفاق کے ہر ہتھکنڈے کو اپنانے کے لئے تیار رہتے ہیں اور اسلام کو خود تک پہنچنے سے روکنے کے لئے ہر تدبیر اپناتے ہیں۔

احساس کمتری

موجودہ صورتحال کو ذہن میں رکھئے اور پھر مولانا کا یہ حقیقت پسندانہ جائزہ دیکھئے، آنکھوں کو چونکا دینے والی مادی ترقی کے باوجود تمام عرب ممالک احساس کمتری کا شکار ہیں اور کسی سے آنکھ نہ ملا پانے کے ساتھ سب سے زیادہ عرب ممالک میں میں دین وشریعت کی مخالفت ہے، ان کا سارا زور صرف دینی تحریکات کی بیخ کنی میں صرف ہوتا ہے، وہ دین سے ایسے خائف ہیں کہ باہر کے آنکھ دکھانے کے بجائے دین شریعت کے نفاذ کی بات کرنے والوں سے ہی قوت آزمائی کرتے رہتے ہیں، دوحہ یونیورسٹی کے ایک مجمع سے خطاب کرتے ہوئے مولانا نے فرمایا!

''اس مضمون میں راقم نے موجودہ عالم اسلام اور اسلامی ممالک کا حقیقت پسندانہ ومحتسبانہ جائزہ لیا، اس میں کہا کہ آج ممالک اسلامی (بشمول ممالک عربیہ) بالعموم احساس کمتری (INFERIORITY COMPLEX) کا شکار اور سیاسی وفکری طور پر صاحب قیادت طبقہ مغربی تہذیب اور افکار واقدار سے سخت مرعوب ہے، وہ اسی کو منتہائے ترقی اور روشن خیالی سمجھتا ہے، دوسری طرف وہ اسلامی تحریکوں، دین کے غلبہ اور نفاذ کی دعوتوں اور کوششوں سے سخت خائف اور ان کے بارہ میں ایک حساسیت (ELERGY) میں مبتلا ہیں، مشہور و نامور ادیب و مصنف و مفکر امیر شکیب ارسلان مرحوم نے جو امیر البیان کے نام سے مشہور تھے حاضر العالم الاسلامی کے حواشی میں ایک جگہ لکھا ہے کہ عالم اسلام فن عروض کی اصطلاح ''بحر'' کی طرح ہے جو اصطلاحاً بحر کہلاتی ہے لیکن اس میں پانی کا ایک قطرہ بھی نہیں ہوتا، راقم نے اس پر اضافہ کرتے ہوئے کہا کہ ہمارے نزدیک عالم اسلام ایک پر آب، عمیق وطویل بحر (سمندر) کی طرح ہے اور پانی سے لبریز ہے لیکن اس کی موجیں باہر کی دنیا سے نہ ٹکراتی ہیں نہ کسی خطۂ زمین کو سیراب کرتی ہیں وہ صرف آپس میں ٹکراتی ہیں اور ان کا بڑا کارنامہ اور مقصد یہ ہوتا ہے کہ دینی بیداری اور اسلامی تحریکات کی کشتیوں سے ٹکرائیں اور ان کو ڈبو دیں آج آپ کو تمام ممالک اسلامیہ وممالک عربیہ میں (باستثنائے چند) یہی صورت حال نظر آئے گی کہ ان کی سعی وجدجہد کا بڑا نشانہ دینی بیداری، اسلامی تحریکات اور تنفیذ شریعت کی کوششیں اور مطالبے ہیں۔ (کاروان زندگی ج۶ ص۸۴)

☆☆☆

لمحۂ فکریہ

فرقہ پرستی اور اس کا تدارک

ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی (سکریٹری تصنیفی اکیڈمی جماعت اسلامی ہند)
mrnadvi@gmail.com

ہندوستان کا ہر شہری اس چیز کو بہت شدت سے محسوس کر رہا ہے کہ یہاں فرقہ واریت کی جڑیں بہت گہری ہو گئی ہیں۔ ذات پات کی سیاست نے انسانوں کو مختلف گروہوں میں تقسیم کر دیا ہے۔ ہر گروہ اپنی بالا دستی قائم رکھنے اور اپنے مفادات کو تحفظ فراہم کرنے کے لئے سر گرم عمل ہے اور نہ صرف یہ کہ دیگر گروہوں کے حقوق غصب کرنے میں اسے کوئی باک نہیں ہوتا، بلکہ وہ ان پر ظلم و ستم ڈھانے اور انہیں اذیتیں پہنچانے میں بھی آگے آگے رہتا ہے۔ اس رویے نے امن و آشتی اور باہم الفت و محبت پر مبنی ملک کی فضا کو مسموم کر دیا ہے۔ فتنہ و فساد کا بول بالا ہے، ایک دوسرے کو شک و شبہ کی نظر سے دیکھا جا رہا ہے۔ اس کا نتیجہ ہے کہ جو صلاحیتیں ملک کی تعمیر و ترقی میں لگنی چاہئے تھیں وہ تخریب، فتنہ انگیزی اور شر پسندی کی نذر ہو رہی ہیں۔

ہندوستان زمانہ قدیم سے مختلف تہذیبوں کا گہوارہ رہا ہے۔ یہاں مختلف مذاہب کے ماننے والے مل جل کر امن و سکون اور پیار و محبت کے ساتھ رہتے آئے ہیں۔ وہ اپنے اپنے مذہب، کلچر اور رسم و رواج پر عمل پیرا ہوتے تھے، لیکن انسانیت ان کی مشترکہ میراث اور بھائی چارہ ان کا مشترکہ وصف تھا۔ وہ باہم شیر و شکر ہو کر رہتے اور ایک دوسرے کے کام آتے تھے۔ یہاں مسلمان آئے اور انہوں نے بود و باش اختیار کی، پھر وہ یہاں کے حکم راں بنے اور صدیوں تک اقتدار کے مراکز پر قابض رہے۔ لیکن مختلف مذاہب کے ماننے والوں کے درمیان اعتماد اور رواداری کی جو فضا یہاں پہلے سے قائم تھی اس میں ذرا بھی فرق نہ آیا۔ انیسویں صدی عیسوی میں انگریزوں نے یہاں قدم جمانے شروع کئے تو ہندوؤں اور مسلمانوں نے مل جل کر ان کے خلاف جدوجہد کی۔ پھر جب انگریزوں کا اقتدار یہاں قائم ہو گیا تو ان کے خلاف معرکہ آرائی اور آزادی کی لڑائی میں وہ برابر کے شریک رہے۔

انگریزوں نے ہندوستان میں اپنا اقتدار مستحکم کرنے کے لئے یہاں کے مختلف طبقات اور گروہوں میں فرقہ واریت کو ہوا دینے کا منصوبہ بنایا۔ انہوں نے 'تقسیم کرو اور راج کرو' کی پالیسی اختیار کی۔ جناب مارکنڈے کاٹجو، سابق جج سپریم کورٹ آف انڈیا نے اپنے ایک مضمون بہ عنوان 'بھارت میں پھیلی فرقہ واریت' میں اس کی متعدد مثالیں ذکر کی ہیں۔ انہوں نے لکھا ہے کہ ہندوستان کے لئے وزیر خارجہ سر چارلس ووڈ نے ۱۸۲۶ء میں وائس رائے لارڈ الجن کو ایک خط میں لکھا کہ ''ہم نے بھارت میں اپنا اقتدار ایک برادری کو دوسری برادری کے

خلاف کھڑا کر کے قائم رکھا ہے اور ہمیں اسے جاری رکھنا چاہئے۔اس لئے ان کو ایک متحد احساس سے باز رکھنے کے لئے آپ جو کچھ کر سکتے ہیں،کریں۔ وزیر خارجہ وسکاؤنٹ کراس نے ۱۸۸۷میں گورنر جنرل ڈفرن کو ایک خط میں لکھا کہ ''مذہبی احساس کی تقسیم ہمارے مفاد میں ہے اور ہم ہندوستانی تعلیم اور تعلیمی مواد پر آپ کی تفتیشی کمیٹی سے اچھے نتائج کی امید کرتے ہیں''۔اسی طرح وزیر خارجہ جارج ہیملٹن نے گورنر جنرل لارڈ کرزن کو لکھا:''اگر ہم ہندوستان کے تعلیم یافتہ طبقے کو دو حصوں (ہندو اور مسلمان) میں تقسیم کر سکتے ہیں تو اس سے ہماری پوزیشن مضبوط ہوگی۔ہمیں درسی کتب کو اس طرح تیار کرنا چاہئے کہ دونوں مذاہب کے اختلافات میں مزید اضافہ ہو

اس طرح انگریزوں نے ہندوستان کے ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان مذہبی منافرت پھیلانے اور فرقہ وارانہ تنازعات کو ابھارنے اور ہوا دینے کی منصوبہ بند کوشش کی اور اس کے لئے مختلف تدابیر اختیار کیں،جن کی تفصیل میں جانے کا یہ موقع نہیں ہے۔

ملک کو آزادی ملی تو جن لوگوں کے ہاتھوں میں اس کی زمام اقتدار آئی ،ہونا یہ چاہئے تھا کہ وہ یہاں مختلف طبقات کے درمیان فرقہ وارانہ ہم آہنگی قائم رکھنے کی کوشش کرتے اور انگریزوں نے منافرت ، بداعتمادی اور بغض وحسد کے جو بیج بوئے تھے ان کا قلع قمع کرتے ،لیکن افسوس کہ ایسا نہ ہوسکا، بلکہ اس کے برعکس انہوں نے اپنی حکومت کو مضبوط کرنے اور اپنا ووٹ بینک بڑھانے کے مقصد سے فرقہ واریت کو بڑھاوا دیا۔اس طرح آزاد ہندوستان میں مختلف طبقات کے درمیان دوریاں بڑھتی گئیں اور کشیدگی میں اضافہ ہوتا گیا۔اس کا اثر یوں تو ملک کی تمام اقلیتوں،لسانی گروہوں اور مذہبی اکائیوں پر پڑا ہے،لیکن خاص طور پر اس سے سب سے زیادہ متاثر مسلمان ہوئے ہیں۔

ملک کے باشندوں کے ذہن ودماغ میں فرقہ واریت کا زہر گھولنے کے لئے مختلف تدابیر اختیار کی گئیں اور مختلف خطوط پر کام کیا گیا۔اس کا ایک پہلو یہ تھا کہ تاریخ کی نصابی کتابوں میں بڑے پیمانے پر تبدیلی کی گئی اور مسلم حکم رانوں پر یہ الزامات عائد کئے گئے کہ انہوں نے مندروں کو منہدم کیا، ہندوؤں پر ظلم ڈھائے اور ان کو جبریہ مسلمان بنایا۔ان حکم رانوں میں خاص طور پر مغل حکم رانوں اورنگ زیب عالم گیر اور میسور کے حکم راں ٹیپو سلطان کو نشانہ بنایا گیا۔حالاں کہ بہت سے انصاف پسند مورخین مثلاً بی این پانڈے وغیرہ نے فرقہ پرستوں کے ان الزامات کا بالکلیہ رد کیا ہے اور تاریخی دستاویزات سے ثابت کیا ہے کہ ان حکم رانوں نے بہت سے مندروں کو باقاعدہ جاگیریں عطا کی تھیں اور جبریہ تبدیلی مذہب کے ان پر لگائے جانے والے الزامات بے بنیاد ہیں۔

گزشتہ کچھ برسوں سے ملک میں دہشت گردی کا ہوّا کھڑا کیا گیا ہے اور اس کے ذریعے خاص طور پر مسلم نوجوانوں کو نشانہ بنایا جا رہا ہے۔اصلاً یہ مسلمانوں کے خلاف رچی جانے والی عالمی سازش ہے،جس میں ہندوستان کے حکم راں سرگرم کردار ادا کر رہے ہیں۔اس کے تحت بغیر کسی پختہ ثبوت کے محض شک وشبہ کی بنیاد پر ہزاروں مسلم نوجوانوں کو جیلوں میں ٹھونس دیا گیا ہے۔ برسوں کی عدالتی کارروائیوں کے بعد وہ بے گناہ ثابت ہوتے ہیں،مگر اس وقت تک ان کا تعلیمی کیریر برباد ہو چکا ہوتا

ہےاوروہ سماجی طور پر کسی کام کے نہیں رہ جاتے۔

فرقہ واریت کو ہوا دینے کے لئے تھوڑے تھوڑے وقفہ سے بعض ایشوز کو نمایاں کیا جاتا ہے اور بات کا بتنگڑ بنانے کی کوشش کی جاتی ہے۔ کبھی لو جہاد کا شوشہ چھوڑا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ مسلم نو جوان ہندو لڑکیوں کو اپنی محبت کے جال میں پھنسا کر ان کو مسلمان بنا رہے ہیں۔ کبھی آبادی کا ہوّا کھڑا کیا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ مسلمان چار چار شادیاں کر کے اپنی آبادی بہت تیزی سے بڑھا رہے ہیں۔ اس طرح بہت جلد ہندو اقلیت میں ہو جائیں گے۔ کبھی کہا جاتا ہے کہ بنگلہ دیشی مسلمان بہت بڑی تعداد میں ملک میں آگئے ہیں، جس سے آبادی کا توازن بگڑ رہا ہے۔ کبھی دینی مدارس کو دہشت گردی کے اڈے قرار دیا جاتا ہے اور الزام لگایا جاتا ہے کہ وہاں انتہا پسندی کی تعلیم دی جاتی ہے اور ملک سے غدّاری سکھائی جاتی ہے۔ کبھی مسلمانوں کی معتبر اور محترم شخصیات کو مطعون کیا جاتا ہے، ان پر دہشت گردی کے الزامات لگا کر پس دیوار زنداں کر دیا جاتا ہے، یا انتہا پسندی کو فروغ دینے والا کہہ کر ان کی دینی وسماجی سرگرمیوں پر پابندی لگانے کی کوشش کی جاتی ہے۔ جیسا گزشتہ دنوں معروف مبلغ اسلام ڈاکٹر ذاکر نائک کے ساتھ کیا گیا۔

ان دنوں ہمارا ملک فرقہ وارانہ تشدد کی ایک اور بھیانک صورت حال سے دوچار ہے۔ پہلے گئو مانس کی مہم شروع کی گئی۔ صوبہ اتر پردیش کے ضلع غازی آباد کے بسہڑا نامی گاؤں میں اخلاق نامی ادھیڑ عمر کے ایک مسلمان کو پیٹ پیٹ کر ہلاک کر دیا گیا اور اس کے نو جوان بیٹے کو شدید طور پر زخمی کر دیا گیا، محض اس شبہ میں کہ ان لوگوں نے گائے کا گوشت کھایا ہے۔ جانوروں کے کاروبار میں لگے ہوئے کچھ نو جوانوں کو پھانسی دے دی گئی، یہاں تک کہ ان لوگوں کو بھی تشدد کا نشانہ بنایا گیا جو مردہ جانوروں کی لاشوں کو ٹھکانے لگانے کے لئے جا رہے تھے یا ان کی کھال اتار رہے تھے۔ ان سرگرمیوں کا مقصد اس کے علاوہ کچھ نہیں کہ ملک کو فرقہ وارانہ بنیادوں پر تقسیم کر دیا جائے اور ان کے درمیان بغض ونفرت کے جذبات ابھار دئے جائیں، تاکہ ان کے ووٹ بینک میں اضافہ ہو اور اقتدار پر ان کی گرفت باقی رہے۔

دیکھا یہ گیا ہے کہ ملک کے جو ادارے یا پارٹیاں فرقہ پرستی کی اس لہر کو روکنے اور اس پر قدغن لگانے میں کسی حد تک اپنا کردار ادا کر سکتی تھیں، وہ بھی مجرمانہ غفلت کا مظاہرہ کرتی ہیں، یا اس ا؟ گ کو مزید بھڑکانے کے لئے ایندھن فراہم کرتی ہیں۔ مثلاً اس میدان میں میڈیا اپنا مثبت اور تعمیری رول ادا کر سکتا تھا، لیکن افسوس کہ تخریب، فتنہ انگیزی اور فرقہ واریت کو بڑھاوا دینے میں وہ کچھ زیادہ ہی سرگرم دکھائی دیتا ہے۔ کسی نو جوان کو دہشت گردی کے الزام میں گرفتار کیا جاتا ہے تو کئی روز تک چینل دن و رات اس کی خبر نشر کرتے ہیں، اس کی اسٹوری بناتے ہیں اور اس پر مباحثے کرواتے ہیں۔ لیکن کئی سال کے بعد جب وہ بے گناہ ثابت ہو کر جیل سے باہر آتا ہے تو چینلوں پر اس کا مطلق ذکر نہیں ہوتا۔ حکومت یا تفتیشی ایجنسیوں کی جانب سے کسی مسلم شخصیت، ادارے یا جماعت پر کوئی شبہ ظاہر کیا جاتا ہے یا کوئی الزام لگایا جاتا ہے تو چینلوں پر اس کا تذکرہ اس طرح کیا جاتا ہے جیسے جرم ثابت ہو گیا ہو، اس طرح چینل اس پر سزا سنانے کا کام بھی اپنے ہاتھ میں لے لیتے ہیں۔

سیاسی پارٹیوں کا معاملہ اور بھی دگرگوں ہے۔ وہ فرقہ وارانہ منافرت کم کرنے اور مختلف گروہوں کے درمیان ہم آہنگی اور یکجہتی بڑھانے کے لئے بہت کچھ کر سکتی تھیں۔ لیکن ہر پارٹی کو اپنے ووٹ بینک کی فکر ہے۔ اسے اندیشہ ہے کہ ایسا کرنے کی

صورت میں اس پر طرف داری اور چاپلوسی کے الزامات لگائے جائیں گے اور اس کے مضبوط ووٹرس کی بڑی تعداد ناراض ہو جائے گی۔اس لئے وہ ایسا کرنے کی ہمت نہیں کر پاتی۔

ملک کی یہ نازک صورتحال یہاں کے سنجیدہ اور باوقار شہریوں کوغور وفکر کی دعوت دیتی ہے۔ان کی ذمہ داری بنتی ہے کہ ملک کو کمزور کرنے ،اس کی پرامن فضا کومسموم کرنے اور دنیا میں اس کو رسوا کرنے کی جو کوششیں ہو رہی ہیں ان کو روکنے کی جدّ وجہد کریں ، فتنہ پردازوں کا ہاتھ پکڑیں اور انہیں ان کی مذموم حرکتوں سے باز رکھیں۔ان کی مثال ایک کشتی پر سوار افراد کی ہے۔اگر ان میں سے کچھ لوگ شرانگیزی پر آمادہ ہوں اور کشتی میں سوراخ کرنے کے درپے ہوں تو دوسرے لوگوں کی ذمہ داری ہے کہ ان کا ہاتھ پکڑیں اور انہیں سوراخ نہ کرنے دیں۔اگر وہ ایسا نہیں کریں گے تو تمام لوگ غرقاب ہو جائیں گے اور ان میں سے کوئی بھی زندہ نہ بچے گا۔

اس معاملے میں مسلمانوں پر بڑی ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔وہ اس ملک کے معزز شہری ہیں۔ملک کی نیک نامی میں ان کی نیک نامی ہے اور اس پر بدنامی کا داغ لگتا ہے تو اس میں ان کی بھی رسوائی ہے۔ملک میں فتنہ وفساد پھیلانے سے فرقہ پرستی کو فروغ ملتا ہے اور مختلف گروہوں کے درمیان کش مکش برپا ہوتی ہے تو اس کا سب سے زیادہ شکار وہ خود ہوتے ہیں۔اس سے بڑھ کر اہم بات یہ ہے کہ وہ اللہ تعالی کی جانب سے ایک ابدی پیغام کے امین ہیں۔وہ جس دین کے علم بردار ہیں وہ تمام انسانوں کے لئے ہے۔قرآن کہتا ہے کہ تمام انسان ابتدا میں ایک امت تھے ، بعد میں ان میں اختلافات پیدا ہو گئے اور مختلف گروہ بندیاں وجود میں آگئیں۔وہ کہتا ہے کہ تمام انسان ایک ماں باپ کی اولاد ہیں ،اس لئے ان کے درمیان رنگ ، نسل ،ذات پات ،علاقہ ،کسی بنیاد پر بھی تفریق روا نہیں۔وہ تمام انسانوں کو بھائی بھائی قرار دیتا ہے۔اس کی تعلیم یہ ہے کہ دوسرے مذاہب کے ماننے والوں سے بھی خوش گوار انسانی اور سماجی تعلقات رکھے جائیں اور ان کے ساتھ عدل وانصاف کا معاملہ کیا جائے۔

ملک میں فرقہ وارانہ ہم آہنگی کو فروغ دینے اور فرقہ واریت کے ازالہ کے لئے مختلف پہلوؤں میں کام کرنے کی ضرورت ہے۔لازم ہے کہ ملکی تاریخ کو مسخ کرنیکی کوششوں کی سرکوبی کی جائے۔نصابی کتابوں میں مسلم حکم رانوں کے خلاف جو جھوٹے واقعات منسوب کئے گئے ہیں انہیں خارج کیا جائے۔مسلم دہشت گردی کا ہوّا کھڑا کرنے کی جو مذموم کوشش کی جارہی ہے اس پر بند لگایا جائے اور حقیقی مجرموں کو پابند سلاسل کیا جائے۔مختلف مذاہب اور فرقوں کی سرکردہ شخصیاتکے ساتھ مل کر مشترکہ فورم تشکیل دیے جابیں ،شہر شہر قریہ قریہ ایسی امن کمیٹیاں بنائی جائیں جن میں مختلف مذاہب اور فرقوں کی نمائندگی ہو۔ان افراد اور پارٹیوں کی مذمت کی جائے اور ان کی مذموم کارروائیوں کو طشت ازبام کیا جائے جو اشتعال انگریز بیانات اور بھڑکانے والی تقریروں کے ذریعے ملک کی پرامن فضا کو پراگندہ کرتے ہیں۔میڈیا کے ان چینلوں اور ان کے زہریلے اینکروں کا بائیکاٹ کیا جائے جو مختلف فرقوں اور گروہوں کو ایک دوسرے سے بدگمان کرنے کے لئے جھوٹی خبریں نشر کرتے ہیں۔خلاصہ یہ کہ ہر ایسی کارروائی پر قدغن لگانے کی ضرورت ہے جس سے فرقہ واریت کو بڑھاوا ملتا ہو اور امن وامان غارت ہوتا ہو۔

☆☆☆

یوم عاشورا

محرم الحرام،غوروفکر کے چند پہلو

محمد فرید حبیب ندوی

ماہ محرم کو تین پہلوؤں سے دیکھنا چاہیے، ایک طرف تو یہ سال نو کا آغاز ہے، دوسری طرف یہ ہمیں واقعہ ہجرت کی یاد دلاتا ہے، اور تیسری طرف شہادت حسینؓ کا واقعہ بھی اس کی طرف منسوب ہے۔

(۱) محرم الحرام سے اسلامی کلینڈر کے حساب سے ایک سال کا اختتام اور دوسرے نئے سال کا آغاز ہوتا ہے، یہ موقع ہوتا ہے کہ ہم اپنا محاسبہ کریں، اور یہ جائزہ لیں کہ گذرنے والے سال میں ہم نے کیا اچھے کام کئے اور ہم سے کون سی باتیں غلط سرزد ہوئیں، ہم پر جو حقوق و ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں ان میں سے کتنی ہم نے امانت کے ساتھ نبھائیں اور کتنی ذمہ داریوں میں نے خیانت کی یا ہم سے کوتاہی ہوئی۔

- کتنی نمازیں ادا کیں اور کتنی فوت ہوگئیں
- ادا کردہ نمازوں میں سے بھی کتنی ہم نے کما حقہ ادا کیں اور کتنی ہم نے بس یوں ہی اپنے سر سے بوجھ اتارنے کی کوشش کی۔
- اس پورے سال جو لقمہ ہمارے منہ میں گیا اس میں کتنا حرام تھا اور کتنا حلال؟
- زکوۃ فرض تھی یا نہیں، اگر تھی تو ہم نے پوری ایمانداری سے حساب لگا کر اسے ادا کیا یا نہیں؟
- ہم پر حج کی فرضیت ہوگئی تھی یا نہیں، اگر تھی تو کس حد تک اس کے لئے ہم نے کوشش کی؟
- شوہر/بیوی کے حقوق ہم نے کہاں تک ادا کئے؟ ہم نے کہیں ان کی حق تلفی تو نہیں کی؟
- اولاد کی تعلیم وتربیت پر ہم نے کہاں تک توجہ دی؟
- والدین کی خدمت اور ان کی رعایت ہم نے کس حد تک کی؟ کہیں ہمارے کسی عمل سے ان کو دل کو چوٹ تو نہیں پہنچی؟
- اپنے اصحاب، رفقاء کار، اقارب اور ملنے جلنے والوں سے ہمارا رویہ کیسا رہا؟
- ہم نے کتنی مرتبہ جھوٹ اور دھوکہ دہی کے جرم کا ارتکاب کیا؟؟
- دین وملت کے لئے بھی ہم نے کچھ کیا یا نہیں؟ کہیں صرف ہم تن کے غلام بن کر تو نہیں جیتے رہے؟

غرض یہ اور اس طرح کے بے شمار سوالات ہم اپنے آپ سے کریں، اور سوچیں کہ ہم نے جانے والے سال کو کس طرح گذارا، ہمارے لئے کتنا بہتر رہا اور کتنا نامناسب؟ ہم نے کیا کھویا اور کیا پایا؟ یہ سب کچھ سوچیں، اپنا جائزہ لیں اور پھر نئے شروع ہونے والے سال کو اس طرح گذارنے کی کوشش کریں کہ سال گذشتہ جو کوتاہیاں ہم سے ہوئیں وہ اس مرتبہ نہ ہونے پائیں۔ یہ محرم الحرام کا سب سے بنیادی اور اہم پیغام ہے۔

(۲) محرم الحرام کا دوسرا اہم پہلو یہ ہے کہ یہ ہمیں واقعۂ ہجرت کی یاد دلاتا ہے، اس کی تفصیل کچھ یوں ہے کہ دور فاروقی تک اسلامی کلینڈر کا آغاز نہیں ہوا تھا، وہی پرانی تاریخیں جیسے

عام الفیل وغیرہ چلی آرہی تھی، حضرت عمر فاروق کا جب دور آیا تو آپ نے سوچا کہ اسلامی کلینڈر کی بھی شروعات کرنی چاہیے، لیکن مسئلہ یہ تھا کہ کس واقعہ کو بنیاد بنا کر پہلا اسلامی سال مقرر کیا جائے، یعنی جس سال سب سے اہم واقعہ پیش آیا ہو اسی کو اسلامی کیلینڈر کا پہلا سال تجویز کیا جائے، اب ظاہر ہے کہ اس طرح کے اہم واقعات تو حضور اکرم ﷺ کے زمانے میں ایک دو نہیں، بے شمار ہیں، اور ان میں سے ہر ایک اپنی جگہ بہت اہمیت کا حامل ہے، جس سال آپ کی پیدائش ہوئی اس کی اہمیت کو کوئی بیان کرے، جس سال آپ کو نبوت سے سرفراز فرمایا گیا اس سے زیادہ اہم سال اور کون سا ہو سکتا ہے؟ جس سال آپ نے طائف کا رخ کیا اس کی اہمیت کیا کسی سے کم ہے؟ جس سال غزوہ بدر میں مسلمانوں کو زبردست فتح نصیب ہوئی اس کی اہمیت کے کیا کہنے! اسی طرح صلح حدیبیہ فتح مکہ، حجۃ الوداع اور آپ ﷺ کی وفات کے واقعات! غرض بہت سے واقعات تھے، صحابہ نے اپنی اپنی رائیں پیش کیں، لیکن عمر فاروقؓ کی دور بین نگاہیں پس پردہ بھی بہت کچھ دیکھ رہی تھیں، آپ کو شاید اندازہ تھا کہ اگر ولادت رسول، آغاز نبوت، غزوہ بدر اور وفات رسول میں سے کسی واقعہ کی طرف اسلامی کیلینڈر کو منسوب کر دیا گیا تو کہیں ایسا نہ ہو کہ آگے چل کر مسلمان اسے ایک رسم بنا لیں اور اسے اس طرح یادگار کے طور پر منانا شروع کر دیں جس کی اسلام اجازت نہ دیتا ہو۔

اس لئے آپ نے اس واقعہ کو منتخب کیا جس میں بے پناہ دروس اور عبرت کے سامان ہیں، آپ نے واقعہ ہجرت کا انتخاب کیا، اور جس سال یہ واقعہ پیش آیا اسے پہلا اسلامی سال مقرر کر دیا۔ مہینوں کی ترتیب جو پہلے سے چلی آرہی تھی کہ محرم سے سال کا آغاز ہوتا تھا اور ذی الحجہ پر ختم ہوجاتا تھا اسے جوں کا توں رہنے دیا۔

تو گویا اسلامی کیلینڈر کی نسبت واقعہ ہجرت سے جوڑی گئی، تاکہ جب بھی نیا اسلامی سال شروع ہو تو ہجرت کی یادیں تازہ کر لی جائیں اور اس میں چھپے اسباق کو ذہن نشین کیا جائے، اور واقعہ ہجرت کیا ہے؟ اللہ کے لئے، دین کے لئے اور اسلام کی سربلندی کی خاطر اپنا سب کچھ قربان کر دینا، مال و دولت، زر و زیورات، زمین و جائداد، اہل و عیال اور آل اولاد سب کو راہ خدا میں نچھاور کر دینا، اپنی ہر خواہش پر رب کی مرضی کو ترجیح دینا، اپنی ہر چیز کو دین کے تقاضے کے آگے تج دینا، یہ واقعہ ہجرت کا پیغام اور اس کا پیام ہے۔

لہذا اس روشنی میں ہم اپنے گریبان میں جھانک کر دیکھیں کہ ہم نے بھی خدا اور دین کے لئے کچھ قربانی دی؟ ہم نے بھی اپنی خواہشات پر اللہ کو راضی کرنے کے لئے بندش لگائی؟ ہم نے بھی اپنے مال و متاع اور آل اولاد میں سے خدا کی راہ میں کسی قربانی دی؟ اگر کبھی ہمارے سامنے حلال وحرام کی کشمکش آئی تو ہم نے حلال کو اختیار کیا یا حرام کو؟ اگر دین پر عمل کرنے کے نتیجے میں ہمیں بظاہر نقصان نظر آرہا ہو تو ہم نے دین پر ہی عمل کیا یا اسے چھوڑ کر دنیا کے وقتی فائدہ کو ترجیح دی؟ حاصل یہ ہے کہ جس طرح نبی اکرم ﷺ اور صحابہ کرام نے دین کی سربلندی کی خاطر اپنا سب کچھ چھوڑ کر مدینہ ہجرت فرمائی تھی ہم نے اپنے اندر دین کے لئے قربانی دینے کا جذبہ کہاں تک اور کس حد تک پیدا کیا؟ اور صرف جذبہ ہی نہیں بلکہ موقع پڑا تو ہم اس قربانی پیش کرنے میں کہاں تک کامیاب ہوئے؟ یا خدانخواستہ ہم اپنے اندر یہ جذبہ بھی نہ پیدا کر سکے؟؟۔

(۳) محرم الحرام کا تیسرا پہلو واقعۂ شہادت حسین رضی اللہ عنہ ہے، یہ واقعہ کیا ہے؟ ایک طرف ظلم و جور اور وحشت درندگی اور دوسری طرف مظلومیت و مقہوریت اور بے بسی و بے کسی کی داستان غم، تاریخ انسانی میں اس طرح کے ظالمانہ دجابرانہ واقعات شاذ و نادر ہی پیش آئے ہیں، یہ پورا واقعہ دردناک، کربناک اور المناک ہے، شعراء و ادباء نے اس واقعہ کی تصویر غم اپنی اپنی تخلیقات میں کھینچی ہے، اور صرف اس ایک واقعہ کی سنگینی پر ہزاروں صفحات سیاہ کے گئے ہیں۔

لیکن یہ داستان جس طرح داستان غم ہے اسی طرح بلکہ

اصل معنیٰ میں داستان عبرت بھی ہے، جہاں ایک طرف حضرت حسینؓ اوران کے بے بس اہل خانہ کی مظلومانہ شہادت کا حادثۂ غم ہے، وہیں دوسری طرف اس کے پس پردہ ان کی عظمت و جانبازی، ہمت وحوصلہ، شجاعت و بہادری اور جذبۂ جہادوشوق شہادت کی منہ بولتی تصویر بھی ہے۔

حضرت حسینؓ نے باوجود اپنی بے سروسامانی اور بے کسی و بے بسی کے یہ اقدام کیوں کیا؟ کس چیز نے انہیں آمادہ کیا کہ وہ اپنی جان کی بازی لگائیں؟ کس چیز نے انہیں ابھارا کہ وہ اپنی متاع زیست کواس طرح داؤ پر لگادیں؟؟

اس کے پیچھے جو جذبہ تھا وہی حاصل قربانی ہے، جذبہ تھا اسلام کی سربلندی کا، حق کے اظہار کا، جذبہ تھا نظام خلافت کے بقاء کا، جذبہ تھا خدا کو راضی کرنے کا، دین کے لئے قربانی پیش کرنے کا، دین کی خاطر اپنا سب کچھ نچھاور کردینے کا، یہی جذبہ اصل تھا، یہ اندر کی روح تھی جو حضرت حسین کو بے تاب کئے ہوئی تھی، یہ ولولہ آپ کو بے چین کئے ہوئے تھا، اس نے راتوں کی نینداوردن کا چین حرام کردیا تھا، آپ دیکھ رہے تھے کہ اسلامی خلافت کا رخ دوسری طرف موڑا جارہاہے، اورآپ سے یہ دیکھانہیں جا رہا تھا، آپ کی دینی حمیت یہ برداشت کرنے کو تیار نہ تھی کہ میرے جیتے جی اسلام یا اسلامی نظام میں کوئی کمی یا زیادتی کی جائے۔

واقعہ یہ ہے کہ حضرت حسینؓ کی اس شہادت میں ہمارے لئے عبرت ونصیحت کا بڑا سامان ہے، حضرت حسین نے تو اسلام کا سربلندی کی خاطر جام شہادت نوش فرمایا اب سوال یہ ہے کہ ہم نے اسلام کی سربلندی کی خاطر کیا کیا؟

کیا اسلامی نظام کو نافذ کرنے کے لئے ہم نے کچھ تگ ودو کی؟

بلکہ کیا ہم نے صرف اپنے گھر کی حد تک بھی اسلامی نظام نافذ کیا؟

کیا ہم نے دنیا کو اسلامی نظام سے واقف کرانے کے لئے کچھ بھی حرکت کی؟

جنہوں نے اسلامی نظام کا دنیا سے خاتمہ کیا ان کے خلاف ہم نے اپنی عمل سے اعلان بغاوت کیا؟

خود جو مسلم ہیں ان حکمرانوں کو ہم نے اس پر آمادہ کرنے کی ہلکی سی بھی کوشش کی کہ وہ اپنے ملکوں میں اسلامی نظام نافذ کریں۔

اسلام کی پس پشت ڈال دی گئی تعلیمات کے احیاء میں ہم نے کیا رول ادا کیا؟

اسلام کے نام پر جو بیہودہ رسمیں ہمارے سماج کا حصہ بن چکی ہیں انہیں ختم کرنے کے لئے ہم نے ہمت جٹائی؟

اسلام کو جن چند رسم ورواج میں قید کردیا گیا ہے ہم نے اسے ان سے آزاد کرنے کی کچھ بھی سعی کی؟

کیا ہم نے کبھی حق کی سربلندی کی خاطر دنیا سے لڑنے کا جذبہ اپنے اندر پیدا کیا؟

یا ہم نے زمانے کے رخ پر چلنا سیکھ لیا ہے کہ ہوا جدھر کی ہمارا رخ بھی ادھر؟

کیا دنیا میں اسلام وقرآن کی تعلیمات کی نشرواشاعت کے لئے ہم نے کچھ جدوجہد کی؟

اگر ہمیں بظاہر دور حاضر میں اسلامی تعلیم کے حاصل کرنے میں کوئی فائدہ نظر نہیں آرہا ہو اور عصری تعلیم میں سراسر نفع ہی نفع دکھائی دے رہا ہو تو کیا ہم نے اس نفع کو قربان کرکے دین کی تعلیم کو اس پر ترجیح دے کر اسے حاصل کرنے کی کوشش کی؟

حضرت حسینؓ نے تو اس دین کی خاطر اپنی ہر چیز قربان کر دی ہم نے جان کی بات تو دور رہی، کیا اپنی خواہشات اور معمولی دنیاوی منافع کو قربان کرنے کی بھی ہمت کی!۔

بہرحال محرم الحرام کے یہ تین پہلو ہیں اور ہر ایک کے اندر دروس ونصائح موجود ہیں، محرم کو صرف حضرت حسین کی شہادت سے جوڑنا اور بقیہ چیزوں سے اسے یکسر کاٹ دینا محرم کے اصل پیغام کو فراموش کردینا ہے۔

☆☆☆

تحقیقات

حضرت تھانوی کا ایک گمنام مجموعہ افادات قرآنی

طلحہ نعمت ندوی
جامعہ سید احمد شہید، ملیح آباد، لکھنؤ

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ کے افادات وملفوظات کے مجموعے عام طور پر اہل علم کے درمیان رائج اور معروف ہیں ان سے پوری ملت فیض یاب ہو رہی ہے، بعض افادات گو رائج نہیں لیکن حضرت تھانوی کے آثار علمیہ پر نظر رکھنے والے ان سے واقف ہیں۔

لیکن ایک نسبۃً غیر معروف کتاب ''احسن البیان فی خواص القرآن'' کے متعلق بہت کم اہل علم کو معلوم ہوگا کہ خواص قرآنی کے اس مجموعہ کا بیشتر حصہ حضرت تھانوی کے افادات پر مشتمل ہے، گرچہ یہ کتاب دہلی میں اب بھی شائع ہوتی اور فروخت ہوتی ہے، اس کے سرورق پر مولانا محمد احسن بہاری کا نام بحیثیت مرتب نظر آتا ہے۔

مرتب کتاب مولانا محمد احسن استھانوی حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے ابتدائی دور کے شاگرد ہیں جنھوں نے مدرسہ جامع العلوم کانپور میں آپ سے کسب فیض کیا تھا، یہ ہندوستان کے عظیم المرتبت عالم علامہ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ کے پھوپھی زاد بھائی تھے۔ غالباً تعلیم کی تکمیل کانپور ہی میں کی، اور اس کے بعد حضرت مولانا سید محمد علی مونگیری رحمۃ اللہ علیہ سے وابستہ ہوگئے، اس وقت حضرت مونگیریؒ کانپور میں رد قادیانیت وعیسائیت میں سرگرم عمل تھے، اسی دوران ندوۃ العلماء کی تحریک وجود میں آئی، حضرت مولانا نے جب اس تحریک کے تعارف اور مسلمانوں کی اصلاح کے لئے ''تحفۂ محمدیہ'' نکالا تو اس کی ادارت آپ ہی کے حصہ میں آئی، چنانچہ ''حیات شبلی'' میں حضرت علامہ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ حضرت مونگیری اور رسالہ ''تحفۂ محمدیہ'' کا تذکرہ کرتے ہوئے حاشیہ میں تحریر فرماتے ہیں: ''اس رسالہ کے ایڈیٹر میرے حقیقی پھوپھی زاد بھائی مولوی محمد احسن صاحب استھانوی تھے، عزیزی مولوی سید محمد ہاشم ندوی (ناظم دائرۃ المعارف حیدر آباد) کے پدر بزرگوار، یہی مجھے اپنے ساتھ دارالعلوم (ندوۃ العلماء) لائے'' (حیات شبلی ص ۲۵۱)

مولانا محمد احسن استھانوی کا اصلاحی تعلق اولیس زمانہ حضرت مولانا فضل الرحمٰن گنج مرادآبادی رحمۃ اللہ علیہ سے تھا، اور بعض روایت کے مطابق حضرت سے انہیں خلافت بھی حاصل تھی، اپنے شیخ سے انہیں جو عقیدت وتعلق تھا اس کا اظہار ان کے ان الفاظ سے ہوتا ہے جو انہوں نے حضرت والا کا تذکرہ کرتے ہوئے اپنی کتاب میں جابجا ذکر کئے ہیں: وہ اکثر انہیں ''شیخنا ومرشدنا'' کے الفاظ سے یاد کرتے ہیں۔ مولانا محمد

احسن نے صرف تیس سال کی عمر پائی ۱۳۰۴ھ (۱۹۲۲ء) میں وفات ہوئی، تحفۂ محمدیہ کے مضامین، ندوۃ العلماء کے اجلاس سوم منعقدہ بریلی کی مفصل رپورٹ کے علاوہ یہ کتاب احسن البیان اور فارسی قواعد میں احسن المصادر ان کی یادگار ہیں۔

سبب تالیف وجہ طبع کے عنوان سے انہوں نے اس کتاب کی ترتیب کا پس منظر بیان فرمایا ہے، کہتے ہیں: ''بندۂ ناچیز احقر زمن سید محمد احسن استھانوی بہاری ابن حکیم نور الحسن صاحب حفظہما اللہ من الشرور والزمن جمیع برادران اسلام کی خدمت بابرکت میں عرض رسا ہے کہ جب میں ۱۳۰۹ھ میں غازی پور سے استادنا ومخدومنا مولانا محمد احسن صاحب کانپوری عم فیضہ کی شہرت سن کر اخی معظم مولوی حکیم سید رشید النبی صاحب کے شامل کانپور پہونچا تو اس وقت استاذ ممدوح کے یہاں اکثر کتابیں منتہی طلبہ کی شروع تھیں، سو مجھ نوآموز کے لائق ترمذی شریف کے سوا کوئی کتاب زیر تدریس جناب نہ تھی، اس لئے ترمذی شریف ان کے ہاں شروع کی اور تفسیر جلالین و دیگر کتب درسیہ استاذنا ومخدومنا مولوی اشرف علی صاحب عم فیضہ مدرس مدرسہ جامع العلوم (واقع جامع مسجد کانپور) سے شروع کیں، دو تین ماہ بعد رمضان المبارک آیا، جناب استاذی مولانا حافظ اشرف علی صاحب نے جامع مسجد میں نماز تراویح پڑھانا شروع کی، اور یہ التزام فرمایا کہ ہر چار رکعت میں جتنے رکوع قرآن مجید کے پڑھتے ہر ترویحہ میں ان میں سے بعض سور و آیات کے خواص بیان فرماتے، اور ارشاد فرمایا کہ میں جو خواص ان سور و آیات کے بیان کرتا ہوں وہ یا تو حدیث میں آئے ہیں یا مجھ کو کسی بزرگ سے پہونچے ہیں، میں عام مسلمانوں کو اجازت دیتا ہوں کہ اس سے فائدہ اٹھائیں۔ ترویحہ کے اندر رواداری میں آیتوں کا لکھنا اور ان کے خواص کو ضبط کرنا ایک مشکل امر تھا، مگر بحمد للہ کہ بالاستیعاب میں اس کو لکھتا گیا، اور اس طرح خواص قرآن میں ایک جزو رسالہ کا تیار ہو گیا۔

مولانا سید محمد احسن استھانوی کی نسبت شہر بہار شریف کے ایک مردم خیز قریہ سادات استھانواں کی طرف ہے، جسے علمائے کبار کا مسکن ہونے کے ساتھ قریبی دور کے بڑے نامور وممتاز عالم حضرت مولانا سید مناظر احسن گیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی نانہال اور مولد ہونے کا شرف بھی حاصل ہے، نیز عصر حاضر کے ممتاز محقق و ادیب ڈاکٹر مختار الدین احمد آرزو کا بھی مولد ونانہال ہے، مصنف نے اپنے اہل وطن کا حاشیہ میں مختصر تعارف پیش کیا ہے، افادۂ عام کے لئے وہ بھی نذر قارئین ہے، مولانا لکھتے ہیں: ''یہ شرفائے سادات کی قدیم بستی بہار شریف ضلع پٹنہ (حال ضلع نالندہ، بہار شریف) کے پورب طرف تین کوس پر واقع ہے، احمد معزرودی عارف باللہ حضرت شاہ غوث علی صاحب علیہ الرحمہ (مشہور بزرگ شاہ غوث علی پانی پتی) کو یہیں کا باشندہ لکھا ہے، جس کا مزار پرانوار پانی پت میں ہے، بستی کے اتر جانب کسی اور بزرگ کا بھی مزار ہے، طبقۂ علماء میں بھی چند بزرگوار ممتاز گذرے ہیں، مولوی ابوالحسن علیہ الرحمۃ یہیں کے باشندے تھے، مفتی شرف الدین یکے از علمائے رامپور جب بہار تشریف لائے تو ان کی ملاقات سے بہت محظوظ ہوئے اور ان کی جامعیت کی بہت کچھ مدح کی،...... مولوی حکیم جیلانی صاحب مرحوم شاگرد مفتی سعد اللہ صاحب مرحوم ومولوی تراب علی صاحب مرحوم یہیں کے باشندے تھے، مولوی مجتبی صاحب مرحوم شاگرد مفتی سعد اللہ صاحب لکھنوی، مولوی سید وحید الحق صاحب ...... مولوی

عبدالوہاب صاحب مرحوم جو اردو فارسی، عربی کے شعروسخن میں کامل دستگاہ رکھتے تھے یہیں کے باشندہ تھے۔'' (ص۱۰)

مولانا سید محمد احسن کے نامور فرزند دائرۃ المعارف حیدر آباد کے سابق ناظم اور اس سے قبل وہاں شعبۂ علوم شرعیہ کے صدر مولانا سید ہاشم ندوی (متوفی ۱۹۷۲، ۱۳۹۲ھ) ندوۃ العلماء کے ممتاز فاضل ہیں جن کی پوری زندگی علوم اسلامیہ کی تدوین وتحقیق میں صرف ہوئی، قدیم عربی مخطوطات سے بہت خصوصی شغف تھا جس کے نتیجہ میں قدیم عربی مخطوطات کے تعارف میں ان کی کتاب ''تذکرہ النوادر فی المخطوطات العربیۃ'' منظر عام پر آئی نیز آپ کے گراں قدر حواشی سے آپ کے علمی مقام ومرتبہ کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے، حال ہی میں یہ کتاب بیروت سے شائع ہوئی ہے اور اس کا عکس سہارنپور میں شائع کیا گیا، امام بخاری کی ''التاریخ الکبیر'' کی تدوین بھی آپ ہی کا کارنامہ ہے۔

مولانا محمد احسن نے کتاب میں صرف حضرت تھانوی کے ملفوظات پر اکتفا نہیں کیا ہے، بلکہ قدیم مراجع سے مراجعت کے بعد ہی اپنی تحقیقات پیش کی ہیں، ان کے فہرست مراجع (جو انہوں نے مقدمہ کے ذیل میں کی ہے) ایک نظر ڈالنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت مصنف نے اس کتاب میں دیدہ ریزی اور بری جانفشانی سے کام لیا ہے، اور اس کی تحقیق پر پوری محنت صرف کی ہے، جس سے اس موضوع پر ایک مستند کتاب لوگوں کے ہاتھوں میں آگئی ہے، خواص قراان کے موضوع پر متقدمین نے بھی قلم اٹھایا ہے لیکن ان راویات میں رطب و یابس سب شامل نظر آتی ہیں، حضرت مصنف نے تحقیق سے کام لیا ہے، فہرست کتب میں تقریباً ۵۴ کتابوں کا تذکرہ ہے۔

مصنف کتاب اس کے بعد ''سبب تالیف'' کے ذیل میں فرماتے ہیں:

''اس کے بعد میرے اکثر احباب نے اصرار کیا کہ اس رسالہ کو خواص قرآن میں مع اضافہ تمام کرو، چنانچہ بفہمائش اصحاب میں اس طرف متوجہ ہوا اور خواص سور وآیات کے لئے صحاح ستہ ودیگر کتب احادیث وتصانیف علمائے ربانیین و صوفیاء کو دیکھنا شروع کیا، ایک ایک آیت کی تلاش خاصیت میں کتاب کتاب بالاستیعاب دیکھنا پڑی اس پر مدت تک میں سردوگرم زمانہ کے ہاتھوں سخت پریشان رہا۔''

سبب تالیف وفہرست مراجع کے بعد ایک طویل مقدمہ ہے جس میں مصنف نے قبولیت دعا کے اسباب ووجوہات پر تفصیل سے گفتگو کیا ہے، اور اسی کے ضمن میں علم نجوم کی حقیقت وشرعی حیثیت پر بھی روشنی ڈالی ہے۔

اس کے بعد اصل کتاب کا آغاز ہوتا ہے جس میں بہ ترتیب سور خواص آیات مذکور ہیں، اور ہر خاصیت مستند مراجع کے حوالوں کے ساتھ مذکور ہے۔

جہاں کہیں حضرت تھانوی کا کوئی قول ہے وہاں اخیر میں (مولانا اشرف علی صاحب عم فیوضہ) لکھا ہوا ہے۔ اگر دیگر کتابوں سے اس کی تایید ہوتی ہے تو اس کے بعد اس کی تفصیل موجود ہے۔

بہرحال حضرت تھانوی رحمۃ اللہ کے ایک گمنام مجموعۂ افادات ہونے کے ساتھ علوم القرآن کے ایک اہم پہلو پر ایک علمی کتاب کی حیثیت سے اہل علم کے توجہ کی مستحق ہے ہمیں امید ہے کہ اس سے استفادہ کیا جائے گا۔

☆☆☆

نقطۂ نظر

عصر حاضر اور جہاد

مولانا یحییٰ نعمانی
صدر: المعہد العالی للدراسات الاسلامیہ، لکھنؤ

نوٹ: حیدرآباد سے سید نورالعارفین صاحب کا تنقیدی مضمون بذریعہ ای میل موصول ہوا، مناسب معلوم ہوا کہ مولانا یحییٰ کے اس مضمون کو بھی شامل اشاعت کرلیا جائے جس کے تعاقب پر عارفین صاحب کی تحریر مشتمل ہے، تاکہ قارئین کو تشفی بخش مطالعہ کا موقع فراہم ہوسکے، مذکورہ مضمون ''ماہنامہ الفرقان'' کے شکریہ کے ساتھ شامل اشاعت کیا جارہا ہے۔ (ادارہ)

مسلمانوں کی ذلت ومظلومیت کے تڑپا دینے کی حد تک تکلیف دہ تاریخ کے پس منظر سے جہادی تنظیمیں برآمد ہوئیں ہیں۔ ایک بڑی حد تک یہ کہنا صحیح ہوگا کہ آزاد تنظیموں کے ذریعے (ان کے نزدیک) جہاد کا یہ سلسلہ گزشتہ صدی میں افغانستان میں روسی فوجوں کے خلاف مزاحمت سے شروع ہوا اور اب اس کا نقطۂ عروج داعش وغیرہ کی شکل میں موجود ہے۔

ان لوگوں کے جذبات اور نیتوں کے بارے میں سوائے ان کے علیم وخبیر رب کے، کوئی کچھ نہیں کہہ سکتا۔ لیکن اس دوران بے شمار ایسے کام انجام دیے گئے جن کو امت مسلمہ کے قائدین اور بڑے نامور مقبول علماء کی طرف سے شدید تنقید کی جاتی رہی ہے۔ مگر پھر بھی یہ تنظیمیں اپنی خاص فکر ومزاج اور اپنی تحریک کی طرف نوجوانوں کی ایک تعداد کو مائل کرنے میں کامیاب ہورہی ہیں۔ انٹرنیٹ کے ابلاغی وسیلہ سے ان کی دعوت اور تبلیغ تیز رفتار سے جاری ہے۔ اور کچھ نہ کچھ نوجوان متاثر ہورہے ہیں۔ کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو خود متاثر تو نہیں ہیں لیکن جذبۂ قربانی کا حوالہ دے کر ان سے ہمدردی کا اظہار اور تعریف بھی کرتے ہیں۔

اس تحریر کے خاص مخاطب:

ہماری اس تحریر کے خاص مخاطب وہی لوگ ہیں جو، اپنی حمیت اور دین کی محبت ہی کی وجہ سے حالات سے تنگ آکر یہ سوچتے ہیں کہ موجودہ دور میں جو دعوت، القاعدہ، تحریک طالبان پاکستان اور داعش جیسی تنظیموں کی ہے، شاید یہ مسلمانوں کے لیے حالات کی تبدیلی کا راستہ ہے۔ ایسے لوگوں سے ہم کہتے ہیں کہ ضروری ہے کہ مسئلے پر سنجیدگی سے غور کیا جائے۔ اس لیے کہ:

جتنا دور جدید کا ''جہاد'' بڑھتا جاتا ہے اتنا ہی مسلمانوں کی تباہی بڑھتی جاتی ہے:

بنیادی سوال یہ ہے کہ جہاد عزت اسلام کا ذریعہ ہوتا ہے یا مسلمانوں کی بربادی کا؟ اسلام کی خوشنامی کا یا بدنامی کا؟ دین کی ترقی کا یا تنزل کا؟ پھر کون سی وہ غلطی ہے جس نے ان

لوگوں کے اس ''جہاد'' کو (Counter Productive) الٹے نتائج پیدا کرنے والا بنا دیا ہے؟ کیوں ایسا ہے کہ یہ سلسلہ جہاں شروع ہوجاتا ہے وہاں عافیت حرام اور تباہی مقدر بن جاتی ہے؟ موجودہ زمانے کے جہادی منظرنامے پر غور کرنے کے لیے یہ بنیادی سوال ہے۔

اصل بنیادی غلطی:

ہاں یہ بات صحیح اور ہر ایک کے لیے واضح ہے کہ اس دور میں جہاد کے نام سے کی گئی ان کوششوں سے مسلمانوں کے مسائل حل ہونے کے بجائے نہایت پیچیدہ اور مشکل ہو گئے ہیں۔ اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ جہاد کے جواز کے لیے حالات کی سازگاری اور اچھے نتائج کا امکان شرط ہے۔ قرآن وسنت کا علم ہی نہیں ذرہ برابر عقل سے بھی سوچا جائے تو اس کے علاوہ اور کچھ نہیں کہا جاسکتا کہ مسلح مقابلہ یا جنگ اسی وقت جائز ہوسکتے ہیں، جب ان کی طاقت ہو اور ان سے اچھے نتائج کی توقع ہو۔ اور اگر مقابلے کی سکت نہ ہو تو جنگ کرنا سوائے ناسمجھی کے کچھ اور نہیں ہوسکتا۔

کوئی عقل سلیم رکھنے والا اس سے انکار نہیں کرسکتا کہ ابھی تک تو اِن جہادی کوششوں سے اسلام اور مسلمانوں کے مسائل ہی میں اضافہ ہوا ہے؟ مسلم ممالک کی زمین لالہ زار اور آسمان اشک بار ہے۔ کہیں امن نہیں بچا، خون کی بلا مبالغہ ندّیاں بہہ گئیں۔ اس سے بھی بڑی مصیبت کہ اہل دین اپنے لیے دینی کاموں کو مشکل سے مشکل تر پا رہے ہیں۔ خطبات پر، دینی اجتماعات پر، تحریروں پر پابندیاں لگ رہی ہیں۔ اہل دین کی نقل وحرکت پر رکاوٹیں ہیں۔ ظالم حکومتوں کا شکنجہ سخت ہوتا جارہا ہے، خفیہ ایجنسیوں کا عمل دخل بڑھتا جارہا ہے۔

اس سب کا راستہ آسان کیا ان سرفروشانہ تحریکوں نے جنھوں نے بے موقع ''جہاد'' چھیڑ دیا۔ یہ اقدامات بے موقع اس لیے تھے کہ قرآن وسنت کی تعلیم یہ تھی اور ہے کہ جہادی اقدام سب سے زیادہ موقع ومحل اور حالات و''استطاعت'' کا پابند ہے۔ قرآن نے صاف کہا تھا کہ جب تک اچھے نتائج کی قابل لحاظ امید نہ ہو اس وقت تک مظالم پر صبر کر کے ہاتھ روکے رکھنا اور اقامت صلاۃ ہی وقت کا ''جہاد'' ہے، **کفوا ایدیکم و اقیموا الصلاۃ**۔ مگر ہم نادان اپنے وقت کے جہاد کے بجائے دوسرے وقت کے عمل کو جہاد سمجھ بیٹھے۔ یہی وہ غلطی ہے جس نے ان لوگوں کے جہاد کو (Counter Productive) الٹے نتائج پیدا کرنے والا بنادیا ہے۔

کوئی یہ کہہ کر آنکھیں نہ موندے کہ اوپر کی آیت میں مذکور یہ حکم تو مکی عہد کا ہے۔ اس لیے کہ مکی عہد بھی کمزوری اور مغلوبیت کے دور کی ''محکم'' شریعت ہے۔ بعض لوگوں نے اپنے اندھے جوش کو حمیت سمجھ رکھا ہے۔ قرآن نے حکم دیا تھا کہ جنگی پوزیشن کا خیال کیا جائے گا۔ رسول اللہؐ کے زمانے میں پہلے جب سابقین اولین کا لشکر تھا تو کہا گیا کہ ایک کے مقابلے دس کا بھی حساب ہو تو تم ہی فاتح ہوگے، شرط یہ ہے کہ تم ''صابرون'' یعنی جمنے والے ہو، اسی کو آج کی اصطلاحی زبان میں (High Morale) کہتے ہیں۔ پھر جب سابقین اولین (یعنی اول درجے کے صحابہؓ) کے ساتھ دوسرے صحابہؓ بھی آ گئے، تو اس فرق میں واضح کمی کی گئی، اور کہا گیا کہ اب تمھارا ایمانی حال پہلے جیسا نہیں رہا، اس لیے اللہ تم کو آسانی دیتا ہے۔ اب اگر تمہارے مقابلے دشمن کی پوزیشن دگنی ہوگی تو تم فاتح ہو جاؤ گے۔ (الانفال ۶۵-۶۶)

ظاہر ہے کہ پہلے اگر مادی طاقت صرف تعداد سے گھٹتی اور بڑھتی تھی، تو اب اس میں بہت سی دیگر ایسی چیزیں زمانے کے ساتھ ٹکنالوجی کی شکل میں پیدا ہوگئی ہیں جو طاقت کے توازن میں زبردست فرق پیدا کرتی ہیں، بلکہ وہ ایسا فرق پیدا کرتی ہیں جو تعداد کا بڑے سے بڑا فرق پیدا نہیں کرسکتا۔ اور ایمانی حالت جو اللہ کی مدد کا سبب ہوتی ہے اس میں بھی اِس زمانے میں عہد صحابہ سے اچھے حال کی توقع تو کی نہیں جاسکتی۔ تو جب صحابہؓ کے دور میں ایک اور دو سے زیادہ کے فرق کو بڑا فرق بتایا گیا تو آج کے فسق وفجور اور نفاق وبے ایمانی کے دور میں اس سے زیادہ کی امید کیسے کی جاسکتی ہے؟

اس زمانے میں مسلمانوں کا اور جن کے خلاف یہ مجاہدین جنگ کررہے ہیں، فرق بلا مقابلہ ایک اور سیکڑوں کا ہے۔ اس کو نظرانداز کرنا قرآنی ہدایت کی خلاف ورزی ہے جو چاہے اچھے جذبے سے ہی ہو اس کا نتیجہ خراب ہی ہوگا۔ اور اس وقت یہی پہلو ہر دردمند مسلمان کو اس ''جہاد'' پر نظرثانی پر مجبور کررہا ہے۔

اس سلسلے میں خود رسول اللہ کا اسوہ (طرز عمل) موجودہ دور کے جوش ونادانی پر مبنی ان نظریات کے عین خلاف ہے جن کو یہ لوگ جہادی نظریات کہتے ہیں۔ اس طرز عمل کا ایک موقع غزوۂ خندق کا ہے۔ یہ پورا واقعہ قرآن کی سورۂ احزاب میں بیان ہوا ہے۔ مزید تفصیل حدیث کی کتابوں صحیح بخاری وغیرہ میں آئی ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے پاس خبر آتی ہے کہ مدینے پر مشرکین کا حملہ ہونے والا ہے، ان کے لشکر کی تعداد دس ہزار ہے، ادھر جاں نثار مخلص صحابہؓ کی تعداد تین ہزار سے متجاوز ہے۔ طاقت کے اس فرق کی وجہ سے آپؐ نے جنگ سے پہلوتہی فرمائی اور مقابلہ کے بجائے خندق کھود کر محصور ہوکر بیٹھ رہنے کو ترجیح دی۔ دشمن کے حملہ کرنے کے بعد بھی جنگ نہ کرنا کیا پیغام رکھتا ہے؟ کیوں آپؐ نے جنگ نہیں کی؟ غور کیجیے: ہمارے لیے اس میں کیا شرعی حکم ہے؟ اس سے بھی آگے بڑھ کر آپؐ تو اس پر بھی تیار تھے کہ اس خطرے کو ٹالنے کے لیے مشرکین کے بعض گروہوں کو مدینے کی آدھی پیداوار ہر سال دینے کا معاہدہ کرلیا جائے (بخاری، باب غزوۃ الخندق)۔

کیا معاذ اللہ یہ بزدلی تھی؟

کیا رسول اللہؐ سے غلبہ اور فتح کے یقینی وعدے نہیں تھے؟

پھر آپؐ نے ان وعدوں پر بھروسہ کرتے ہوئے کیوں یہ نہیں سوچا کہ ہمارا کام تو بس جنگ کرنا ہے مدد تو اللہ کرے گا ہی؟

اور کیا اس سے زیادہ یقینی وعدے آج کے لوگوں سے اللہ نے کیے ہیں؟

پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولؐ سے ایسا کیوں کرایا؟

سوائے اس کے اور کیا وجہ ہوسکتی ہے کہ قیامت تک کے مسلمانوں کے لیے ایک واضح ہدایت سامنے آجائے کہ:

اگر طاقت کا توازن ایسا خراب ہو اور مقابلہ آرائی مزید تباہی کا ذریعہ بنے تو یہی راہ ہے کہ مقابلہ نہ کیا جائے اور اسی طرح کوئی عارضی تدبیر بچنے کی سوچی جائے، جس طرح رسول اللہؐ نے خندق کھود کے اختیار کی تھی۔ یالیت قومی یعلمون!!

اس وقت دنیا میں جو کچھ جہاد کے نام پر ہورہا ہے اس کے بارے میں صحیح رائے قائم کرنے کے لیے صرف ایک نقطے پر غور کرلینا کافی ہے۔ وہ یہ کہ اگر جہاد کا مقصد اسلام اور مسلمانوں کی عزت اور اللہ کے دین کے کام کو آگے بڑھانا ہے تو ان کوششوں کے ذریعے کیا یہ کام ہوا؟ کیا اسلام غالب آیا؟ یا اس کی کسمپرسی وغربت اور بڑھی؟ کیا انہوں نے زمین کے چند

کلومیٹر حصے پر بھی امن قائم کیا؟ کہیں مسلمانوں کو چین ملا؟ کہیں ایمان واخلاق کی اصلاح کا کوئی نمونہ سامنے آیا؟ جو نتائج ہیں وہ ہمارے سامنے ہیں۔ مسلمانوں کے ملک تباہ وبرباد ہوگئے۔ جو باقی رہ گئے ان کی مجبوریاں اور بڑھیں۔ خوں ریزی ایسی کہ الامان الحفیظ، ایک ایک ملک میں لاکھوں لاکھ مسلمانوں کی بے فائدہ ومقصد جان گئی۔ دسیوں لاکھ لوگ بے گھر دردر کی ٹھوکریں کھارہے اور غیر مسلموں سے پناہیں مانگ رہے ہیں۔

(۱) جہاد کا مقصد اگر اعلاء کلمۃ اللہ (اللہ کے دین کی عزت وسربلندی) ہے تو ذرا دیکھیے کہ ان کوششوں سے کیا کہیں یہ مقصد حاصل ہوا ہے؟ کیا دنیا میں کفر وظلم کا زور ٹوٹا ہے یا استبدادی شکنجے اور مضبوط ہوئے ہیں؟ اس قدر خوں ریزی! اس قدر بربادی! اور اس کے بھی کچھ نتائج نہ نکلے ہیں، نہ بظاہر حالات کوئی امید ہے۔ پھر بھی اگر اس تجربے پر نظر ثانی کی ضرورت محسوس نہ کی جائے تو سوائے عقلوں پر ماتم اور قسمت پر افسوس کے کیا کیا جاسکتا ہے؟

میری قوم کے لوگو! ہر قسم کے تحفظات سے آزاد ہو کر سوچیے۔ ان کوششوں سے مسلمان ملکوں کو آزادی ملی یا غلامی؟ دین کو فروغ ہوا یا اس کی مشکلات میں اضافہ ہوا؟ سوچیے دین کی خدمت ونصرت اور ایمان وتقویٰ کی دعوت دینے کے مواقع ان ''جہاد'' کی سرزمینوں میں زیادہ ہیں یا ان جگہوں پر جہاں ان کا سایہ نہیں پڑا ہے؟ یہ کون سا جہاد ہے جس سے ایمان وصلاح اور تقویٰ وتدیّن کی دعوت کے امکانات بھی ختم ہورہے ہیں؟

(۲) افغان جہاد کو جب تک امریکہ کی سرپرستی حاصل رہی اس کی بقا رہی۔ اس بیچ میں یقیناً طالبان حکومت کا مبارک دور بھی آیا جس نے پھر سے حقیقی اسلامی حکومت کا منظر نگاہوں کے سامنے کردیا۔ وہی انصاف، سادہ حکم راں اور شریعت کی بالادستی۔ مگر ان حضرات سے پوری محبت کے باوجود، کیا یہ حقیقت نہیں کہ امریکہ کی نگاہ ترچھی ہونے کی دیر تھی کہ سارا محل زمیں بوس ہوگیا۔ ہمت کر کے حقیقت کو تسلیم کیجیے کہ افغان جہاد کی زندگی اسی وقت تک رہی جب تک اس نے امریکی مفادات کی خدمت کی۔ آپ اس حقیقت پر غور کیجیے گا تو مستقبل کے لیے صحیح حکمت عملی بنا سکیں گے ورنہ''۔۔۔سخت ہیں فطرت کی تعزیریں۔

اب کیا حال ہے اور کیا انجام ہے؟ افغانستان تو کیا آزاد ہوتا پاکستان کے بارے میں بھی ڈر ہے کہ کہیں وہ دوسرا افغانستان نہ بن جائے۔ افغانستان کی خانہ جنگیوں کی کوئی انتہا بظاہر تو نظر نہیں آتی۔ مسلمان ہی مسلمانوں کا خون بہا رہے ہیں۔ پھر افسوس یہ کہ اس بے فائدہ جنگ میں جو خون بہہ رہا ہے یہ بہادر، قربانی کے لیے تیار، باحمیت نوجوانوں کا نہایت قیمتی خون ہے۔ اس کو صحیح جگہ استعمال کیا جاتا، صحیح تربیت کے ساتھ اس سے کام لیا جاتا تو ملت کے تحفظ کے لیے نہ جانے کتنا کام کرتا۔ مگر امت کا یہ قیمتی عنصر بربادیوں کی آگ کا ایندھن بن رہا ہے۔ کوئی ناسمجھ ہی ہوگا جس کو یہ توقع ہو کہ افغانستان میں اس راستے سے کوئی شرعی حکومت اور امن واستحکام آسکتا ہے؟ خاص طور پر اس ''جہاد'' نے پاکستان کو بھی نہایت غیر مستحکم اور مغرب کا دست نگر بنادیا ہے۔

(۳) اس کے بعد ذرا کشمیر کے حالات پر نظر ڈالیے: فوجوں کے مظالم تو اب دور بیٹھے غیر مسلم بھی کھل کر بیان کر

رہے ہیں، مگر اس ظلم کو دسیوں گنا یقیناً مسلح تحریک کی آگ نے بڑھایا۔ پہلے جو ظلم تھا وہ قطعاً ایسا نہیں تھا۔ سالوں کی خونریزی کے بعد بھی کشمیر کے بین الاقوامی طاقتوں کے کھیل سے باہر نکلنے کوئی سبیل نظر نہیں آتی۔

(۴) سب سے زیادہ آنکھ کھولنے والا منظر سیریا کا ہے۔ اسد حکومت کا جبر واستبداد ہر شبہے سے بالا تر تھا، مگر ''جہاد'' کے نام پر جو کچھ کیا گیا اس کے بعد تو پورا ملک کیسا تباہ وبرباد ہو رہا ہے کہ اس کے تصور سے بھی رونگٹے کھڑے ہو رہے ہیں۔ ٦ لاکھ آدمی مارے گئے۔ معذوروں اور زخمیوں کی تعداد اللہ کی پناہ! جسموں کے چیتھڑے اڑ رہے ہیں، اور پھر در در بھٹکتے پناہ گزینوں کی الم ناک صورت حال، حزب اللاۃ اور بشار کی مجرم فوج کے محاصروں کا یہ حال ہے کہ مختلف شہروں میں لاکھوں انسان بھوک سے مر رہے ہیں، خبریں آئیں کہ علماء نے مجبوری میں کتے حلال ہونے کا فتویٰ دیا ہے۔ پھر یہ بھی خبر آئی کہ کتے بلی سب ختم ہو گئے تو گھاس کھانے پر لوگ مجبور ہیں۔ انسانی بربادیوں کی کیسی لرزہ خیز تصویر ہے؟

یہ سب جو ہوا اس کی ذمہ داری کس کے اوپر ہے؟ بعض حکومتوں کی ایجنسیوں نے اپنے مصالح کے تحت ''جہاد'' کے نام پر تحریک قائم کروائی۔ کون شبہہ کر سکتا ہے اب جو کچھ ہے اس کے سلسلے وار نتائج ہیں۔ ادھر دو تین ہفتوں سے حلب سے کیا خبریں آ رہی ہیں۔ روس اندھا دھند بمباری کر رہا ہے۔ نیچے بشار کی فوج اور حزب اللاۃ کے درندے قتل عام مچا رہے ہیں۔ اسد حکومت ظالم تھی جابر تھی۔ مگر موجودہ حالات سے اس کا دور ہزار بہتر تھا۔ افسوس ناک نا سمجھی ہو گی اگر کوئی بربادیوں کے ایسے تجربوں کے بعد بھی اس راہ سے کسی خیر کی توقع رکھے۔ اس تباہی کا ایک خطرناک پہلو یہ ہے کہ جو لاکھوں لاکھ مسلمان سیریا سے ہجرت کر کے مغربی ملکوں کو جا رہے ہیں وہاں ان کے دین وایمان کی حفاظت کا کوئی انتظام نہیں ہے۔ یہ کون سا جہاد ہے جس سے لاکھوں مسلمانوں کے ایمان کو خطرہ پیدا ہو رہا ہے؟

اگر جہاد کا مقصد امن وامان قائم کرنا ہے، اور یقیناً قرآن جہاد کو امن وامان کے قیام اور فساد وخوں ریزی کے خاتمے کا ذریعہ قرار دیتا ہے (البقرہ: ۲۵۱، الحج: ۴۰) تو سوچیے کہ ان کوششوں نے افغانستان سے لے کر چیچنیا، صومالیہ، اور نائجیریا سے لے کر سیریا وعراق تک کہاں امن قائم کیا اور دنیا سے کس فساد کو ختم کیا؟۔

عالم اسلام کی موجودہ لرزہ خیز بربادی اور خونریزی کی وجہ صرف یہی ہے کہ قرآن وسنت نے جہاد کے لیے جو مادی اعتبار سے قوت کو شرط قرار دیا تھا اپنے جوش اور نا سمجھی میں اس اصول کو نظر انداز کر کے تباہی مول لی گئی ہے۔

موجودہ جہادی تنظیموں کا ایک پر اسرار پہلو:

(٦) ان جہادی تنظیموں کا ایک نہایت قابل غور پہلو یہ ہے کہ ان تنظیموں کی بڑی تعداد کی تشکیل، تنظیم، سرمایہ اور اسلحہ کی فراہمی سے لے کر جنگی تربیت تک سب کچھ خطرناک ومفسد بین الاقوامی ایجنسیوں کے ذریعے ہوتی ہے۔ اس مسئلہ کی نزاکت ہر وہ دردمند اور صاحب عقل سمجھ سکتا ہے جو اس کھلی حقیقت سے بے خبر نہ ہو کہ مسلم اور غیر مسلم ملکوں کی حکومتیں عموماً اور اکثر وبیشتر جس قسم کے عناصر کے ہاتھ میں رہتی ہیں، اور حکومتی ایجنسیاں جس قسم، جس قماش اور دینی وایمانی اعتبار سے

جیسی سیرت ونظریات کے حامل لوگوں کے ہاتھ میں رہتی ہیں کیاان لوگوں کی زیرنگرانی اور تعاون سے قائم تنظیمیں وہ مقاصد حاصل کرسکتی ہیں جو جہاد کے مقاصد ہیں؟

افسوس ہماری نادانی اس حد تک پہونچی ہوئی ہے کہ ہم گرگ سے گلہ بانی کی توقع کر لیتے ہیں۔سی آئی اے اور ایم آئی سکس وغیرہ ہی نہیں کیا پاکستان یا سعودی حکومت کی ایجنسی سے بھی جہاد کی توقع کی جاسکتی ہے؟ ایسا وہی کرے گا جو جہاد سے اوراس کے مقاصد سے بالکل ہی ناواقف ہو۔کیسا مضحکہ خیز یہ واقعہ ہے کہ ایک طرف تو یہ لوگ مغربی حکومتوں کو اسلام کا سب سے بڑا دشمن کہتے ہیں اور سعودی عرب سے لے کر پاکستان تک مسلم ممالک کی حکومتوں کو منافق اور اسلام دشمن طاقتوں کی ایجنٹ کہتے ہیں دوسری طرف انہی کے تعاون سے جہادی تنظیمیں بناتے ہیں!! حیف ان کی نادانی اور تُف ان کی سمجھ پر!!

داعش کے نام کی جو تنظیم اس وقت سب سے زیادہ نوجوانوں کو اپنی طرف مائل کرنے کی کوششوں میں لگی ہوئی ہے، اور جو ایک آندھی بارش اور طوفان کی طرح آئی ہے، دیکھتے ہی دیکھتے اس نے سیریا اور عراق کے کافی بڑے حصے پر قبضہ کرلیا،اسی طرح کئی دوسری ایسی تنظیمیں جو حکومتی افواج کے دانت کھٹے کیے ہوئے ہیں، کیا اتنی بڑی فوج اور اسلحہ امریکہ، سعودی عرب یا دیگر ممالک کی خفیہ ایجنسیوں کے بغیر بن سکتے ہیں؟ کیا کسی ملک کے سرمائے اور اسلحے کے بغیر اتنا بڑا خطہ فتح ہوسکتا ہے؟ کیوں یہ کھلی حقیقت سمجھ میں نہیں آرہی کہ یہ سب کسی اور کا کھیل ہے؟

ایک اور تباہ کن پہلو:

اس ''جہاد'' کا یہ قابل تشویش پہلو ہے کہ چونکہ یہ مغربی ممالک کے مقاصد کی تکمیل کرتا ہے اس لیے اس کو فروغ دینے میں ان کی خفیہ ایجنسیوں کا بھی کافی عمل دخل رہتا ہے۔صاف شواہد موجود ہیں کہ وہ جان بوجھ کر ان سے اغماض برتتی ہیں۔ اس طرح کے واقعات کے ذریعے صرف اسرائیلی لابی اور مغرب کے ان انتہا پسند مسلم دشمن عناصر کی مدد ہو رہی ہے جو مغرب میں اسلام اور مسلمانوں کے بڑھتے اثرات ختم کرنا چاہ رہے ہیں۔

ان حملوں کے بارے میں ایک بہت چشم کشا پہلو یہ ہے کہ ان سے دنیا بھر میں دینی دعوت اور دینی کاموں کے لیے نہایت مشکلات پیدا ہو رہی ہیں۔مساجد بند کیے جانے کے مطالبے ہو رہے ہیں۔امریکہ میں صدارتی امیدوار علی الاعلان کہہ رہا ہے کہ امریکہ میں مسلمانوں کا داخلہ بند کیا جائے۔پہلے ایسا ممکن نہیں تھا۔یہ سب ان حملوں نے ہی ممکن بنایا ہے۔جی اسی لیے مغربی خفیہ ایجنسیاں ان حملوں کو ہونے دینا چاہتی ہیں۔پہلے یہ پہلو اگر واضح نہیں تھا تو اب کچھ خاص چھپا بھی نہیں ہے۔

ابھی فرانس کے ایک پادری کا جن دو نوجوانوں نے قتل کیا ان کے بارے میں خود فرانسیسی پولیس کا اعتراف ہے کہ ہم جانتے تھے کہ: (۱) یہ دونوں داعش کے رابطے میں تھے،(۲) سیریا جانے کی کوشش کر چکے تھے۔ (۳) ترکی نے ان کو ڈیپورٹ کیا تھا، (۴) اور یہی نہیں پولیس ان کے ہاتھ میں وہ الکٹرانک ٹیگ باندھ چکی تھی جس سے ان کی نقل وحرکت ریکارڈ ہوتی رہے۔

http://edition.cnn.com/2016/07/28/ europe/france-normandy- church-a ttack/ index.html

سوال یہ ہے کہ کیا اس کے بعد یہ واضح نہیں ہو جاتا کہ جو ہوا وہ حکومتی ایجنسیوں کے علم و رضا مندی سے ہوا؟؟ یعنی ان نوجوانوں کو ایسا کام جان بوجھ کر کرنے دیا گیا۔ اس ''جہاد'' کا یہ قابل تشویش پہلو ہے کہ چونکہ یہ مغربی ممالک کے مقاصد کی تکمیل کرتا ہے اس لیے اس کو فروغ دینے میں ان کی خفیہ ایجنسیوں کا بھی کافی عمل دخل رہتا ہے۔

اور سنیے: امریکی اخبار وال اسٹریٹ جرنل کے مطابق برسلز، بلجیم میں گزشتہ ۲۲ مارچ کو ایرپورٹ اور میٹرو ٹرین پر جو حملے ہوئے؛ جس میں ۳۲ افراد مارے گئے اور بہت سے زخمی ہوئے، فوراً ہی داعش نے ذمے داری لے لی تھی، ان حملوں کے اگلے ہی دن ترک صدر رجب اردوغان نے کہا کہ:

(۱) حملہ آور کو ہم نے سیرین بارڈر پر (غازی عین تاب) کے پاس سے گرفتار کیا تھا اور اس انتباہ کے ساتھ نیدرلینڈ کے حوالہ کیا تھا کہ یہ ایک غیر ملکی لڑاکو (Foriegn Fighter) اور داعش کا آدمی ہے۔ (۲) مگر نیدرلینڈ نے اس کو چھوڑ دیا۔ (۳) پھر ترکی نے باقاعدہ اس شخص اور اس کے خطرناک عزائم کے بارے میں بلجیم کو بھی باخبر کر دیا تھا۔ (۴) مگر بلجیم نے بھی وہی کیا جو نیدرلینڈ نے کیا تھا۔

http://www.wsj.com/articles/turkey-says-it-deported-one-of- brussels-suicide-bombers-in-summer-1458757158

اب بتایئے اس کو صرف سیکوریٹی کی کمزوری (Security Laps) کہا جائے گا یا جان بوجھ کر حملہ ہونے دینا، تاکہ ان کی آڑ میں مغرب سے اسلام کو دیس نکالا دینا آسان ہو؟

یہ واقعہ ہے کہ علماء اور مسلمانوں کے مخلص قائدین اگرچہ اس دور کی ان جہادی تحریکوں کو مضر سمجھ رہے ہیں مگر اس کے نقصانات سے آگاہ کرنے کے لیے جیسی پرزور کوششیں ہونی چاہییں وہ نہیں ہو رہیں۔ اس کا ایک سبب یقیناً یہ ہے کہ مسلمانوں کے یہ علماء و قائدین حیران ہیں کہ مشتعل جذبات کو کیسے سنبھالا جائے جب مسلمانوں کے سامنے دنیا بھر میں امن وعافیت کے تمام راستے مسدود کیے جا رہے ہیں۔ مگر اس جہادی تجربے نے حالات کو جس طرح ابتر اور پیچیدہ کیا ہے، اور ظلم واستبداد کی طاقتوں کو جتنا کھیل کھیلنے کا موقع دیا ہے اس کے پیش نظر ضروری ہے کہ اپنے لوگوں کو اس تباہی سے روکنے کی تا حد ممکن کوشش کی جائے۔ ان جہادی تنظیموں اور ان کے اعمال کے بارے میں تذبذب اور گومگو کی کیفیت نے ہی اس کا موقع فراہم کیا ہے کہ نوجوان گمراہ ہوں۔ یہ عاجز ایک عرصے سے (اپنی کتاب ''جہاد کیا ہے؟'' کی تصنیف کے بعد سے) علماء کو اس مسئلے کی نزاکت اور خطرناکی کی طرف متوجہ اور نوجوانوں کو غلط راہ سے روکنے کی اپیل کرتا آیا ہے۔ آج پھر عرض کرتا ہے کہ اب جذبات کی رعایت کرنا دین وملت کے لیے تباہ کن ہوگا۔ تلخ حقائق کو تسلیم کرنے کی دعوت دیجیے اور اگر اس راہ میں اللہ کی خاطر اپنی مقبولیت کی بھی قربانی دینی پڑے تو اللہ کی رضا اور اجر آخرت کی خاطر ایسا بھی کیجیے۔

اب سوال یہ اٹھتا ہے کہ اگر حالات کی تبدیلی کے لیے یہ راستہ نہیں ہے تو پھر کیا ہے؟ اس کے لیے اگلی مجلس کا انتظار کیجیے، اللہ کی توفیق سے یہ بندہ اس سلسلے میں بھی کچھ عرض کرنے کا ارادہ رکھتا ہے۔ اللہ ہمارا حامی وناصر ہو۔

☆☆☆

نقد واستدراک

کیا عصر حاضر میں جہاد کی ضرورت ہے؟

سید نور العارفین (ایم اے۔ایم فل)
M.9290487569

نوٹ: اس مضمون کے مشمولات سے اتفاق واختلاف سے قطع نظر اہم علمی وتنقیدی نکات کے سبب شامل اس کو شامل اشاعت کیا جارہا ہے، البتہ اس کرب کا اظہار ضروری ہے کہ ایک علمی تنقید میں زبان کی علمیت برقرار نہ رہ سکی ہے اور جابجا جذباتیت وحدت درآئی ہے۔ (ادارہ)

مولانا یحییٰ نعمانی کا ایک مضمون ''عصر حاضر اور جہاد'' کے عنوان سے 'افکار ملی' ستمبر 2016ء کے شمارہ میں شائع ہوا جس پر ادارہ نے نوٹ لگایا ہے کہ یہ تحریر'' جہاد کے بارے میں اپنے اور غیروں کی بہت سی غلط فہمیوں کا سدباب کرتی ہے۔'' حقیقت یہ ہے کہ اس سے اس غلط فہمی کا اعادہ ہوتا ہے کہ عصر حاضر ''جہاد'' کے لئے موزوں نہیں ہے' یہ اور بات ہے کہ علماء ہوں یا دانشور' حکمت و مصلحت کی آڑ میں اس مفہوم کو زوروشور سے پیش کرنے کے باوجود'' دور حاضر میں جہاد ساقط ہوگیا'' کا فتویٰ صادر کرنے سے قاصر ہیں (العیاذ باللہ)۔ایسا محسوس ہوتا ہے کہ عصر حاضر میں ''جہاد'' کے نتائج کا خوف کچھ اس طرح ہمارے ذہنوں پر مرتسم ہوگیا ہے کہ ہم ''جہاد'' کے اچھے نتائج کی امید چھوڑ بیٹھے ہیں نتیجہ میں ایسی تحریریں دیکھنے کو مل رہی ہیں جن میں اضطراب نمایاں ہوتا ہے۔

مولانا یحییٰ نعمانی کے مضمون میں کہیں تو ملت کے کٹنے پٹنے لٹنے اور ذلت اٹھانے کا کرب نمایاں ہوتا ہے تو کہیں ذلت آمیز رسوائی پر گردن جھکا دینے کا درس ملتا ہے۔مضمون کے آغاز میں وہ مغرب کے استبدادی رویوں سے مسلم ممالک کے لہولہان ہونے کا اعتراف کرتے ہیں لیکن اختتام تحریر تک یہ ثابت کرنے پر تلے ہوئے ہیں ''یہ (جہاد کا) راستہ مسلمانوں کے لئے تباہ کن ہے۔'' حیرت تو یہ ہے کہ وہ مانتے ہیں ''سیریا میں اسد حکومت کا جبر و استبداد ہر شبھے سے بالاتر تھا'' اسی سانس میں کہتے ہیں ''مگر جہاد کے نام پر جو کچھ کیا گیا اس کے بعد تو پورا ملک کیسا تباہ و برباد ہورہا ہے اس کے تصور سے بھی رونگٹے کھڑے ہورہے ہیں۔'' ابھی پیراگراف ختم نہیں ہوتا ہے کہ وہ اس حقیقت کا اعتراف کرتے دکھائی دیتے ہیں ''حزب اللہ اور بشار کی مجرم فوج کے محاصروں کا یہ حال ہے کہ مختلف شہروں میں لاکھوں انسان بھوک مررہے ہیں۔'' ایک جگہ وہ سوال کرتے ہیں ''کیا انھوں (جہادیوں) نے زمین کے چند کلومیٹر حصے پر بھی امن قائم کیا؟'' خود ہی افغان جہاد کے حوالہ سے تسلیم کرتے ہیں ''یقیناً طالبان حکومت کا مبارک دور بھی آیا جس نے پھر سے حقیقی اسلامی حکومت کا منظر نگاہوں کے سامنے کردیا۔'' آپ ہی سوال کرتے ہیں ''کیا (اس جہاد سے) اسلام غالب آیا یا اس کی کسمپرسی وغربت اور بڑھی؟'' آپ ہی اگلی سطور میں طالبان کے حق میں مدح خواں ہیں ''وہی انصاف، سادہ حکمراں اور شریعت کی بالادستی۔'' مولانا کا سوال ہے ''سی آئی اے اور ایم آئی سکس (مغربی جاسوس

ایجنسیاں) وغیرہ ہی نہیں کیا پاکستان یا سعودی حکومت کی ایجنسی سے بھی جہاد کی توقع کی جاسکتی ہے؟'' پاک وسعود کو مغرب کی اسلام دشمن ایجنسیوں کے ہمنوا بتانے کے باوجود اسی پیراگراف میں خود ہی کہتے ہیں ''یہ (جہادی) لوگ مغربی حکومتوں کو اسلام کا سب سے بڑا دشمن کہتے ہیں اور سعودی عرب سے لے کر پاکستان تک مسلم ممالک کی حکومتوں کو منافق اور اسلام دشمن طاقتوں کی ایجنٹ کہتے ہیں دوسری طرف انہی کے تعاون سے جہادی تنظیمیں بناتے ہیں!! حیف ان کی نادانی پر!!'' کیا ہم مولانا نعمانی سے سوال کرسکتے ہیں کہ سی آئی اے اور ایم آئی سکس کے ساتھ پاک وسعودی عرب کی ایجنسیوں کو جوڑتے ہوئے کہیں آپ سے نادانی تو سرزد نہیں ہوئی؟ سمجھ میں نہیں آتا کہ مولانا کی نظر میں ''بے موقع جہاد'' چھیڑنے والے مجرم ہیں یا بشار وحزب اللہ اور مغربی ممالک اور ان کی خفیہ ایجنسیاں، جن کے بارے میں خود ان کا یہ احساس ہے ''پورے عالم اسلام میں ان کی خفیہ سازشوں نے اور ان کے حمایت یافتہ یا مسلط کردہ حکم رانوں نے دہائیوں سے مسلم عوام کی آزادیاں سلب کی ہوئی ہیں اور ان ممالک کے مالی وسائل کی بے انتہا لوٹ مچائی ہوئی ہے۔''

بڑی عجیب بات ہے کہ مضمون کے آغاز میں امت مسلمہ کے کرب آمیز حالات کی تصویر کھینچتے ہوئے مضمون نگار نے اعتراف کیا ہے کہ ''یہ ہے وہ پس منظر جس سے جہادی تنظیمیں برآمد ہوئیں اور انھوں نے کارروائیاں شروع کیں۔'' پھر اختتام مضمون پر پہنچتے پہنچتے کہیں ان پر ''امریکی مفادات کی خدمت'' کا الزام لگاتے ہیں تو کہیں یہ ''پراسرار'' پہلو پیش کرتے ہیں کہ ''ان تنظیموں کی بڑی تعداد کی تشکیل، تنظیم سرمایہ اور اسلحہ کی فراہمی سے لے کر جنگی تربیت تک سب کچھ خطرناک ومفسد بین الاقوامی ایجنسیوں کے ذریعہ ہوتی ہے۔'' اگر ایک مضمون میں اتنے تضادات ہیں جس کا کچھ حصہ پیش کیا گیا تو اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ صاحب مضمون کس قدر الجھن کا شکار ہیں۔ ایسا لگتا ہے کہ قلم پر خارجی دباؤ ہے اور ذہن پر ضمیر کچوکے لگا رہا ہے، آنکھ ملت کے درد سے رو رہی ہے اور دل اندیشوں اور وسوسوں کا شکار ہے۔ اضطراب کی یہ کیفیت مولانا کی تنہا نہیں ہے، لیکن ''عصر حاضر'' میں بھی کچھ لوگ ایسے ہیں جن کے دلوں کو اللہ کی یاد سے اطمینان نصیب ہے اور وہ مادی نتائج کی پرواہ کئے بغیر اس نتیجہ پر نظر رکھے ہوئے ہیں جسے قرآن میں ''**فوز عظیم**'' کہا گیا ہے اور یہ کامیابی یقیناً جنت اور رضائے الٰہی کی ہے۔

پورے مضمون میں شرعی دلیل کے طور پر صرف تین حوالے دیئے گئے ہیں اور وہ بھی سیاق وسباق سے ہٹ کر پیش کئے گئے ہیں۔ نعمانی صاحب نے ظلم و استبداد اور چیرہ دستیوں کے خلاف کی جانے والی کارروائیوں کو سرفروشانہ تحریکات تو تسلیم کیا ہے لیکن ان پر ''بے موقع جہاد'' چھیڑ دینے کا الزام بھی لگایا اور بطور دلیل کہا ''قرآن نے صاف کہا تھا کہ جب تک اچھے نتائج کی قابل لحاظ امید نہ ہو اس وقت تک مظالم پر صبر کرکے ہاتھ روکے رکھنا اور اقامت صلاۃ ہی وقت کا ''جہاد'' ہے۔ **کفوا ایدیکم و اقیموا الصلوٰۃ**۔ مگر ہم نادان اپنے وقت کے جہاد کے بجائے دوسرے وقت کے عمل کو جہاد سمجھ بیٹھے۔'' یہ سورہ النساء کی آیت 77 کا ایک ٹکڑا ہے۔ آیت 66 سے قتال کا بیان شروع ہوتا ہے۔ ان آیات میں قتال سے زندگی کی ہلاکت کے نفسیاتی خوف کا تذکرہ ہے پھر کافروں کا مقابلہ کرنے ہتھیار بند ہوکر متفرق ہو یا مجتمع طور پر جیسا موقع ہو نکلنے کا حکم ہے۔ آگے فرمان ہے ''جو کوئی اللہ کی راہ میں لڑے پھر

مارا جائے یا غالب ہو تو ہم اسے اجر عظیم عطا کریں گے۔'' یعنی فی سبیل اللہ جہاد کا ''نتیجہ'' خواہ کچھ بھی برآمد ہو شہادت کی صورت میں موت ملے یا اللہ کی مدد سے غلبہ حاصل ہو جائے ہر دو صورت میں اللہ نے اجر عظیم کا وعدہ کیا ہے۔

اگلی آیت میں جہاد کا ایک مقصد مظلوم مرد اور عورتوں اور بچوں کی مدد بتاتے ہوئے بعد والی آیت میں وہ بات کہی گئی جس کو نعمانی صاحب نے مظلومین کی مدد کے مقابل اقامت صلاۃ کو وقت کا جہاد قرار دینے کی کوشش کی ہے۔ اصل میں جنگ کا حکم آجانے کے بعد اس سے جی چرانے والوں کے بارے میں (جن کے بارے میں اکثر مفسرین کی رائے یہ ہے کہ وہ منافق تھے یا ان کا ایمان پختہ نہیں ہوا تھا) کہا گیا ''کیا تم نے ان لوگوں کو بھی دیکھا جن سے کہا گیا تھا کہ اپنے ہاتھ روکے رکھو اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دو؟ اب جو انہیں لڑائی کا حکم دیا گیا تو ان میں سے ایک فریق کا حال یہ ہے کہ لوگوں سے ایسا ڈر رہے ہیں جیسا خدا سے ڈرنا چاہئے یا کچھ اس سے بھی بڑھ کر۔ کہتے ہیں خدایا! ہم پر یہ لڑائی کا حکم کیوں لکھ دیا؟ کیوں نہ ہمیں ابھی کچھ اور مہلت دی؟'' (النساء: 77) یاد رہے کہ اس آیت میں "فریق منهم" ان میں کا ایک فریق کہا گیا تمام کا یہ حال نہیں تھا۔ اور'' كفوا ايديكم '' کے بعد والی آیت میں جہاد سے جی چرانے والوں کو انتباہ دیا گیا کہ ''موت تو جہاں بھی تم ہو وہ بہر حال تمہیں آکر رہے گی خواہ تم کیسی ہی مضبوط عمارتوں میں ہو۔'' موت کے خوف سے جہاد سے جی چرانے والوں کے بارے میں قرآن کہتا ہے ''اگر تم اپنے گھروں میں بھی ہوتے تو جن لوگوں کی موت لکھی ہوئی تھی وہ خود اپنی قتل گاہوں کی طرف نکل آتے۔'' قابل غور ہے کہ پورے قرآن میں کہیں بھی اقامت صلاۃ کو جہاد سے تعبیر نہیں کیا گیا۔ یہ ایک غلط تاویل اور جہاد کی فرضیت کو گھٹانے نماز کا سہارا لینے کی کوشش ہے۔

سورۃ النساء کی آیت 71 میں جو مجتمع یا الگ الگ دستوں میں دشمن سے مقابلہ کے لئے نکلنے کا حکم ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جہاد کے لئے مکمل فوج جمع کرنے کی استطاعت نہ ہو تو الگ الگ گروہ میں چھاپہ مار حملے بھی کئے جاسکتے ہیں۔ عددی یا ٹکنالوجی کے اعتبار سے دشمن کے برابر طاقت کے حصول کی شرط بتانا خلاف شرع ہے۔

نعمانی صاحب نے دوسرا حوالہ سورہ انفال کی آیت 65 اور 66 کا دیتے ہوئے فرمایا کہ قرآن نے جنگی پوزیشن کا خیال رکھنے کا حکم دیا تھا۔ یہاں ایک کے مقابل دس پھر ایک بمقابلہ دو کو بشرط صبر و استقامت فتح یاب کہا گیا ہے۔ نعمانی صاحب استدلال کرتے ہیں ''مادی طاقت صرف تعداد سے گھٹتی اور بڑھتی تھی' تو اب اس میں بہت سی دیگر ایسی چیزیں زمانے کے ساتھ ٹکنالوجی کی شکل میں پیدا ہوگئی ہیں جو طاقت کے توازن میں زبردست فرق پیدا کرتی ہیں بلکہ وہ ایسا فرق پیدا کرتی ہیں جو تعداد کا بڑے سے بڑا فرق پیدا نہیں کرسکتا۔'' پھر کہتے ہیں ''اس زمانے میں مسلمانوں کا اور جن کے خلاف یہ مجاہدین جنگ کررہے ہیں فرق بلا مقابلہ ایک اور سینکڑوں کا ہے۔ اس کو نظر انداز کرنا قرآنی ہدایت کی خلاف ورزی ہے۔ جو چاہے اچھے جذبے سے ہی ہو اس کا نتیجہ خراب ہی ہوگا۔'' کیا اس طرح یہ نہیں کہا جارہا ہے کہ اس زمانے میں جہاد یا ظالموں سے مقابلہ کرنا ہی درست نہیں؟ لازمی بات ہے کہ جو ٹکنالوجی مغرب کے پاس ہے اس کا مقابلہ ممکن نہیں تو کیا مسلمان غلامی کی زندگی کو قبول کرلیں؟ اس غلامی کو جس کا اعتراف مضمون نگار نے پہلے ہی پیراگراف میں بڑی دردمندی کے ساتھ کیا ہے۔

یہی بات سورۃ البقرہ کی آیت 246 میں مزید صراحت کے

ساتھ ملتی ہے۔ جب قوم نے دشمن سے مقابلہ کی خواہش ظاہر کی تو وقت کے نبی نے پوچھا کہ کہیں ایسا تو نہ ہوگا کہ حکم ملنے کے بعد وہ لڑائی سے جی چرائیں گے۔قوم کا جواب قابل غور ہے۔ انھوں نے کہا ''بھلا یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ ہم راہ خدا میں نہ لڑیں جب کہ ہمیں اپنے گھروں سے نکال دیا گیا ہے اور ہمارے بال بچے ہم سے جدا کردیئے گئے ہیں۔'' معلوم ہوتا ہے کہ یہ مہاجرین تھے، مظلوم تھے، بے حیثیت اور کمزور اتنے تھے کہ گھروں سے نکال دیئے گئے۔ مجبور اتنے کہ بال بچوں سے الگ کردیا گیا لیکن دشمن سے مقابلہ کی ''استطاعت'' نہیں رکھتے تھے جس کا نعمانی صاحب کو بار بار شدت سے احساس ہوتا ہے کہ اس وقت مغربی طاقتوں سے مقابلہ کی ''مجاہدین'' کے پاس ''استطاعت'' نہیں ہے اور اس کے بغیر لڑنا قرآنی ہدایت اور حکمت ومصلحت کے خلاف ہے۔لیکن البقرہ کے اس پورے مضمون پر تدبر سے نظر ڈالئے۔ ان ہی مہاجرین کو اللہ نے کافروں سے لڑنے کا حکم دیا اور ان میں بھی اکثریت ہمت ہار بیٹھی لیکن قلیل تعداد کے ذریعہ ہی اللہ نے فتح نصیب فرمائی۔

تعداد اور توازن کی سوچ تو بنی اسرائیل کی نفسیات ہے کہ وہ دشمن کی تعداد اور طاقت سے نتائج جوڑتے ہیں۔سورۃ البقرہ میں ان کی اسی کیفیت کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا گیا کہ جب طالوت کی قیادت میں مسلمان جالوت سے مقابلہ کے لئے نکلے تو جالوت کا لاؤلشکر اور طاقت دیکھ کر مسلمان گھبرا گئے اور طالوت سے کہہ دیا کہ ہم میں جالوت اور اس کے لشکروں کا مقابلہ کرنے کی طاقت نہیں ہے لیکن ان میں ایک قلیل گروہ جو اللہ اور نبی کا اطاعت گزار تھا اس نے کہا ''بارہا ایسا ہوا ہے کہ ایک قلیل گروہ اللہ کے اذن سے ایک بڑے گروہ پر غالب آ گیا۔'' (البقرہ: جزو آیت 249) پھر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ''اللہ کے اذن سے انھوں نے کافروں کو مار بھگایا'' یہاں اللہ کا اذن صاف بتاتا ہے کہ تعداد کا فلسفہ کوئی معنیٰ نہیں رکھتا اصل چیز اطاعت، جذبہ جہاد، سرفروشی کی تمنا، مضبوط عزم اور مقابلہ پر ڈٹ جانے کی صفات ہیں۔

نعمانی صاحب! کیا یہ حقیقت نہیں کہ تمام ٹکنالوجی اور طاقت کے عدم توازن کے باوجود روس کو افغانستان میں شکست فاش ہوئی؟ ویسے موصوف اسے امریکہ کی کرامت سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ''امریکہ کی نگاہ ترچھی ہونے کی دیر تھی کہ سارا محل زمین بوس ہوگیا۔'' اور ان کا یہ بھی ماننا ہے کہ ''افغان جہاد کو جب تک امریکہ کی سرپرستی حاصل رہی اس کی بقا رہی۔'' موصوف سے کوئی یہ پوچھے کہ تمام ٹکنالوجی' چٹانوں کو پاش پاش کرنے والے بم، غاروں میں دم گھٹانے والی گیس ، رات کے اندھیرے میں دکھائی دینے والے چشموں کے ساتھ انتہائی عصری اسلحہ سے لیس 37 ممالک کی حمایت کے باوجود امریکہ بہادر پچھلے 15 برسوں سے افغانیوں کو زیر کرنے میں کامیاب کیوں نہ ہوسکا؟ جواب یہی ہوگا صرف اسی جذبہ جہاد کی وجہ سے جس کے آگے تمام اسلحہ بے کار اور جس سے ہر طاقت خوف زدہ ہے۔ یہ جذبہ مصر میں نہیں تھا جہاں مرسی کی قیادت میں اخوان حکومت آناً فاناً ختم ہوگئی لیکن ترکی میں عوام ڈنڈے لے کر ٹینکوں کے سامنے آ گئے تو فوج کو بیارکوں میں واپس جانا پڑا۔

نعمانی صاحب نے موقع ومحل اور حالات و ''استطاعت'' کی پابندی کی شرط پر زور قلم صرف کرنے کے بعد پوری ملت کی جانب سے اپنے طور پر یہ نتیجہ اخذ کیا ہے ''اس وقت یہی پہلو ہر دردمند مسلمان کو اس ''جہاد'' پر نظر ثانی پر مجبور کررہا ہے۔'' اسی قسم کے طرز کلام کو ذہن سازی یا Lobying کہتے ہیں کہ سننے اور پڑھنے والا فی الواقع نظر ثانی پر مجبور ہوجائے جب کہ ان شرائط کی حقیقت اوپر واضح کی گئی ہے۔ ''استطاعت'' کی

شرط کے بارے میں،ہم خود یحییٰ نعمانی صاحب کے مکتبہ فکر کے مفسر قرآن مفتی محمد شفیع صاحبؒ کا حوالہ دینا چاہیں گے۔سورہ انفال کی آیت 60 کی تفسیر میں لکھتے ہیں ''سامانِ جنگ کی تیاری کرو کفار کے لئے جس قدر تم سے ہوسکے۔اس میں سامان جنگ کی تیاری کے ساتھ **ما استطعتم** کی قید لگا کر یہ اشارہ فرمادیا کہ تمہاری کامیابی کے لئے یہ ضروری نہیں کہ تمہارے مقابل کے پاس جیسا اور جتنا سامان ہے تم بھی اتنا ہی حاصل کرلو بلکہ اتنا کافی ہے کہ اپنی مقدور بھر جو سامان ہوسکے وہ جمع کرلو تو اللہ تعالیٰ کی نصرت و امداد تمہارے ساتھ ہوگی۔''
(معارف القرآن۔جلد چہارم۔سورہ انفال)

مضمون نگار نے تیسرا حوالہ جنگ خندق کا دیا ہے اور بڑی جسارت کا مظاہرہ کیا ہے۔وہ کہتے ہیں ''مشرکین کے لشکر کی تعداد دس ہزار ہے اور ادھر جاں نثار مخلص صحابہؓ کی تعداد تین ہزار سے متجاوز ہے۔طاقت کے اس فرق کی وجہ سے آپ نے جنگ سے پہلو تہی فرمائی اور مقابلہ کے بجائے خندق کھود کر محصور ہوکر بیٹھ رہنے کو ترجیح دی۔'' مولانا آپ نے جس بے بسی و بے ہمتی کی تصویر کھینچی ہے وہ دور حاضر کے علماء و دانشوروں سے متوقع ہے لیکن ایک نبی اور وہ بھی حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ جیسی شخصیت سے نہیں جن کے بارے میں صحابہؓ کہتے کہ لڑائی میں ہم آپؐ کی پناہ ڈھونڈتے تھے۔حیف ہے ایسی سوچ پر اور رسول اللہ ﷺ کی سیرت کی اس تنقیص پر جو کسی ادنیٰ مسلمان کو بھی زیب نہیں دیتی،مولانا! ذرا بدر کی تعداد پر نظر ڈالئے مسلمان 313 اور کافر 1000 ،یعنی تین گنا سے زیادہ ،قریش میں سو سوار تھے اور مسلمانوں کی فوج میں صرف دو گھوڑے تھے۔مسلمانوں میں بہت کم سپاہی ہتھیاروں سے لیس تھے اور قریش کا ہر سپاہی لوہے میں غرق تھا۔احد پر نظر ڈالئے مسلمان 700 اور کافروں کی تعداد 3000 یعنی چار گنا سے زیادہ، طاقت کا بھی کوئی توازن نہیں تھا کہ اہل مکہ بدر کا بدلہ لینے کی ایک سال سے تیاری کررہے تھے اور اہل مدینہ کو چین نصیب نہیں تھا۔اچانک خندق میں تعداد کا یہ فرق نعوذ باللہ رسول اللہ ﷺ کے لئے ہمت ہار بیٹھنے کا سبب کیوں بن گیا؟ جو خود آپ کے مطالعہ کے مطابق تین گنا کا ہی فرق تھا۔محترم نعمانی صاحب یہ دراصل ایک جنگی حکمت عملی تھی اور اس میں یہ ہدایت نہیں کہ طاقت کا توازن ایسا خراب ہو اور مقابلہ آرائی مزید تباہی کا ذریعہ بنے تو یہی راہ ہے کہ مقابلہ نہ کیا جائے اور بچنے کی تدبیر کی جائے جیسا کہ آپ نے نتیجہ اخذ کیا ہے بلکہ امت کے لئے یہ درس کہ جنگ میں جب جیسا موقع ہو تدبیر اختیار کی جائے لیکن دشمن کے آگے سپر نہ ڈالی جائے۔ایک نئی جنگی حکمت عملی جو اس وقت عرب میں رائج نہیں تھی اختیار کرتے ہوئے رسول اللہ ﷺ نے قیامت تک یہ اسوہ پیش کردیا ہے کہ ''عصر حاضر'' کے مطابق جنگی چال اور وسائل حرب اختیار کئے جائیں۔بدر میں صف بندی،احد میں میدان جنگ کا انتخاب اور اب خندق کے ذریعہ حفاظت کا انوکھا طریقہ۔خندق کی کھدائی نئی بات تھی جس نے کفار کو ورطہ حیرت میں ڈال دیا۔

جہاں تک نعمانی صاحب کا یہ کہنا ''آپؐ تو اس پر بھی تیار تھے کہ اس خطرے کو ٹالنے کے لئے مشرکین کے بعض گروہوں کو مدینے کی آدھی پیداوار ہر سال دینے کا معاہدہ کرلیا جائے'' قابل غور ہے۔انھوں نے یہاں بھی کتمان حق سے کام لیا ہے اور ایسا نقشہ پیش کیا جس سے دب کر صلح کرنے، ہمت ہار جانے اور سمجھوتہ کرکے جان چھڑانے کا تصور پیش ہوتا ہے۔واقعہ کا تفصیلی جائزہ لینا اس لئے ضروری ہے کہ جناب نعمانی نے ایک چھوٹے جملہ سے بڑی غلط فہمی پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔حقیقت یہ ہے کہ محاصرہ سخت تھا اور صحابہؓ محاذ پر ڈٹے ہوئے تھے ایسے میں یہودی عہد شکنی کرتے ہوئے خواتین اور بچوں پر حملہ کی تیاری

کر رہے تھے۔ جب یہ خبریں مسلم فوج تک پہنچنے لگیں تو بے چینی پیداوار ہوگئی۔ ان حالات میں آپؐ کو خیال آیا کہ کہیں صحابہؓ کا صبر وعزم متزلزل نہ ہو جائے۔ مشرکین کے ''بعض گروہوں کو'' کہنا مبالغہ آرائی اور غلط بیانی ہے۔ معاملہ یہ تھا کہ آپؐ نے صرف غطفان اور فزارہ کے قبیلوں سے صلح کا ارادہ فرمایا تھا بلکہ اس کے لئے صلح نامہ تحریر بھی کرلیا گیا تھا، وجہ یہ تھی کہ یہودیوں نے خیبر کی پیداوار میں حصہ دینے کا وعدہ کرتے ہوئے انہیں لڑائی پر آمادہ کیا تھا چنانچہ اس کے جواب میں انہیں مشرکین کے گروہ سے توڑنے کی حکمت عملی کے طور پر آپؐ نے مدینہ کی پیداوار کا ثلث دینے کا ارادہ فرمایا لیکن کیا اسے روبہ عمل لایا گیا؟

آپؐ نے غطفان اور فزارہ کے سردار عینیہ بن حصن اور حارث بن عوف کو پیام بھیجا کہ مدینہ میں کھجوروں کی کل پیداوار کا تہائی لے لو اور واپس چلے جاؤ۔ انھوں نے نصف پیداوار کا مطالبہ کیا آپؐ نے اسے قبول کرلیا یا ایک روایت یہ بھی ہے کہ آپؐ نے انکار کیا تب عینیہ اور حارث نے تہائی پر رضامندی ظاہر کی۔ دونوں سرداروں کی موجودگی میں حضرت عثمانؓ نے صلح نامہ مرتب کیا۔ اسیدؓ بن حضیر نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! اگر آپؐ یہ معاہدہ وحی الٰہی کے بموجب کر رہے ہیں تب تو چوں چرا کی مجال نہیں ورنہ ہمارے کفر کے زمانے میں بھی یہ لوگ کھجور کی ایک گٹھلی تک ہم سے وصول نہیں کرسکتے تھے اب تو اللہ نے ایمان کی وجہ سے ہمارے عزوشرف میں اضافہ فرمایا ہے۔ آپؐ نے فرمایا اللہ کا کوئی حکم نہیں میں تمہاری بھلائی کی خاطر خطرہ ٹال رہا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے اوس وخزرج کے سرداروں سعد بن معاذؓ اور سعد بن عبادہؓ سے مشورہ کیا انھوں نے بھی وہی بات کہی جو اسیدؓ نے کہی تھی۔ یہ استقلال دیکھ کر آپؐ کو اطمینان ہوا اور آپؐ نے معاہدہ کو پھاڑنے کا حکم دیا۔ سرداران اوس وخزرج نے کہا کہ اب تلواریں فیصلہ کریں گی۔

محترم نعمانی صاحب! کیا آپ اسی معاہدہ کے حوالہ سے بزدلی کا درس دینا چاہتے ہیں؟ کیا خندق کا واقعہ بیان کرنے میں دانستہ حق شکنی سے کام نہیں لیا گیا؟ کیا یہ درست نہیں کہ معاہدہ چاک کردیا گیا؟ جس کو مداہنت کے لئے بطور دلیل پیش کیا جارہا ہے۔ کیا انصار صحابہ نے تاوان دینے کے بجائے تلواروں سے فیصلہ کرنے کی بات نہیں کہی؟ کیا رسولؐ نے اسے قبول نہیں کیا؟ کیا انصار صحابہؓ کے عزم وحوصلوں کو دیکھ کر آپؐ کا چہرہ مبارک فرط مسرت سے کھل نہیں اٹھا؟ کیا آپؐ نے ''طاقت کا توازن خراب'' دیکھنے کے باوجود معاہدہ چاک کرنے کا حکم دے کر معاذ اللہ تباہی کا راستہ اختیار کیا تھا؟ اسی طرح کیا موتہ کی جنگ موت کے منہ میں جانے کی نادانی تھی؟ رسول اللہ ﷺ نے صرف تین ہزار کی فوج روم کی سوپر پاور سے ٹکر لینے بھیج دی۔ مقابل میں دو لاکھ کی فوج تھی گویا 70 گنا بڑی طاقت کا سامنا!! کیا نعمانی صاحب اسے ''مشتعل جذبات'' کی مثال قرار دیں گے؟ تبوک کے سفر کے بارے میں آپ کیا رائے رکھتے ہیں جس کی سالاری خود سالار اعظم ﷺ نے فرمائی تھی۔ اب سوچنا یہ ہے کہ کیا دور حاضر میں جہاد کی ضرورت ہے؟۔ **یا لیت قومی یعلمون!!**

آخر میں ہم اتنا ہی کہنا چاہیں گے کہ مولانا کو یہ غم ہے کہ ''ہم نادان اپنے وقت کے جہاد (یعنی مولانا کی نظر میں نماز) کے بجائے دوسرے وقت کے عمل (یعنی حقیقی جہاد) کو جہاد سمجھ بیٹھے۔'' گویا وہ کہنا چاہتے ہیں ''نادان اٹھ کھڑے ہوئے جب وقت نماز آیا'' اور سوئی ہوئی امت میں اسلام کی روح پھونکنے والے علامہ اقبالؔ کو یہ فکر دامن گیر تھی ''ناداں گر گئے سجدے میں جب وقت قیام آیا''۔ **وما توفیقی الا باللہ**

☆☆☆

ادبی تنقید (قسط-۱)

نغمہ و نور

ڈاکٹر رئیس احمد نعمانی
گوشۂ مطالعات فارسی، علی گڑھ۔

شاہجہانپور ایک ایسا شہر ہے، جس کا بسانے والا (نواب بہادر خاں متوفی ۱۶۴۹ء) خود بھی شاعر تھا، تو اس شہر میں شعر و شاعری کا رواج پانا کوئی تعجب خیز امر نہیں۔ اسی لیے وہاں شاعری کی تاریخ بھی اتنی ہی قدیم ہے جتنی خود شہر کی۔ شہر مذکور کے زمانۂ تاسیس سے اب تک کم و بیش چار سو سال کی مدت ہوتی ہے۔ اس طویل مدت میں صدہا سخنور اور نغمہ پرور اس شہر کے منصۂ شہود پر جلوہ گر اور نغمہ پیرا ہوتے رہے ہیں، جن میں سے ایک معتدبہ تعداد کے احوال و آثار کو اردو کے مشہور ناقد و شاعر پروفیسر قمر رئیس کے برادر بزرگ جناب مبارک خاں شمیم نے مرتب کر کے "تذکرۂ سخنور شاہجہانپور" کے نام سے شائع کر دیا ہے۔

عہد ماضی میں بیشتر دیگر شہروں کی طرح، شاہجہانپور کے باقریحہ افراد کی جولانگاہِ سخن بھی، غزل کا میدان ہی رہا ہے اور وہاں کی خاک سے بھی اس میدان کے بہت سے صاحب دیوان شہ سواران سخن پیدا ہوئے ہیں۔

روایت یوں رہی ہے کہ دواوین غزلیات کے آغاز میں بطور استبراک، حمد و نعت پاک کے بھی دو چار شعر موزوں کر کے شامل کر دیے جاتے تھے۔ ادھر کم و بیش نصف صدی سے ہندو پاک کے کچھ اہل عقیدت نے باقاعدہ نعت گوئی کو اور کسی کسی نے حمد سرائی کو بھی) مرکز توجہ بنایا ہے اور حمد و نعت پر مشتمل، مستقل مجموعے بھی دنیائے شعر و سخن کو منور و معطر کر رہے ہیں۔

شاہجہانپور کی شعر خیز اور نغمہ بیز فضا میں نشو و نما پانے والے شعراء کے قلم سے بھی حمد یا نعت یا دونوں صنفوں پر مشتمل کئی شعر نامے ہندو پاک میں اشاعت پذیر ہو چکے ہیں، اور اس وقت وہیں کے ایک نامور، معتبر کہنہ مشق استاد سخن جناب ڈاکٹر ساغر وارثی صاحب کا بہت ہی دلکش اور جاذب نظر، حسین و رنگین، تازہ ترین مجموعہ "نغمہ و نور" میرے ہاتھ میں ہے، جس کو جناب فہیم بسمل صاحب (مدیر سہ ماہی "کاوش" شاہجہانپور) نے ترتیب دیا ہے، اور خود شاعر محترم نے لکھنؤ کے نعمانی پریس میں چھپوا کر، جلال نگر ایمن زئی شاہجہانپور سے شائع کیا ہے، ۱۶۰ صفحات پر مشتمل اس خوبصورت جاذب نظر کتاب کے مشتملات اس طرح ہیں:

ص ۱-۷، عنوان کتاب، شخصیات، انتساب، نذر فہرست

ص ۹-۴۲: علیم صبا نویدی، خالد علوی، خداداد خاں مونس، فاروق جائسی، اور مرتب کتاب کے اعترافات، تأثرات اور تحسینات۔

ص ۴۳-۵۰: حمد باری تعالیٰ (۱۰ عدد)

ص ۵۱-۱۴۱: نعت سرور کائنات (۳۸ عدد)

ص ۱۴۲-۱۴۳: سلام (ایک عدد)

ص ۱۴۴-۱۵۵: منقبت (۷ عدد)

ص۱۵۶–۱۶۰: نغمۂ سحری، ماہِ صیام، الوداع ماہِ صیام (۳ نظمیں)

آیئے اب اس چمنستانِ سخن کے گل ولالہ کی کچھ سیر ہو جائے:

ص۳ ''شب اسریٰ'' اور رحمۃ اللعالمین'' لکھا ہے۔ دونوں کا املا غلط ہے۔ اور افسوس ہے کہ اکثر اردو داں حضرات اور نعت گو ان کا املا غلط ہی لکھتے ہیں۔ صحیح املا یوں ہے: ''شب اِسراءٗ'' اور ''رحمۃ للعالمین''۔

ص۵ پر حاجی وارث علی شاہ کو ''عالم پناہ'' اور ''بیکس پناہ'' لکھا گیا ہے۔ یہ دونوں صفتیں صرف خدائے تعالیٰ کے لیے ثابت ہیں، کسی اور کے متعلق ایسا اعتقاد، شرک کے سوا کچھ نہیں کہلائے گا۔

ص۹ پر ''ساغر وارثی کی نعتوں کی نورانی کائنات'' کے زیر عنوان مضمون میں ایک شعر درج کیا گیا ہے:

نعت گوئی کے لئے حسنِ ارادت شرط ہے
ساتھ کچھ فہم کتابِ علم سیرت شرط ہے۔

علیم صبا نویدی کو معلوم ہونا چاہیے کہ صرف ''کچھ'' سے کام چلنے والا نہیں ہے، قرآن مجید اور سیرت رسولؐ کا بھر پور مطالعہ اور فہم ضروری ہے۔ خود موصوف نے ہی ص۱۰ کے بالکل شروع میں لکھا ہے کہ ''نعت گو کو قرآن وحدیث کا پورا علم ہونا چاہیے'' مگر افسوس ہے کہ نعت کے اچھے اشعار کے نمونوں میں نویدی صاحب نے یہ شعر بھی نقل فرمایا ہے:

اللہ نے سب نبیوں کا سردار بنایا
ہر شے کا انہیں مالک و مختار بنایا

اس شعر کا پہلا مصرع تو بے شک نعتِ رسولؐ ہے، مگر دوسرا مصرع کھلا ہوا شرک ہے۔ قرآن حدیث اور سیرت رسولؐ سے کہیں ثبوت نہیں ملتا کہ ''اللہ نے کسی انسان کو ''ہر شے کا مالک و مختار'' بنایا ہے۔ جس آدمی کو اپنا ایمان بچانا ہو، اس کو ایسے عقیدے سے توبہ کر کے یہ عقیدہ رکھنا چاہیے کہ ''ہر شے کا مالک و مختار بھی صرف وہی قادر مطلق ہے جس نے ہر شے کو پیدا فرمایا ہے۔

ص۱۶ پر ملا جامی کے تعلق سے جو حکایت درج کی گئی ہے وہ صوفیوں یا تذکرہ نویسوں کی من گھڑنت ہے ایسی ہی ایک کہانی حسن غزنوی کے بارے میں بھی تذکروں میں لکھی ہے، وہ بھی بے اصل ہے اور جعلی ہے۔ ص۱۷ پر جناب خالد علوی صاحب نے لکھا ہے کہ: ''ساغر وارثی نے نہایت محتاط'' رہ کر اس مجموعے کو ترتیب دیا ہے...... سیرت رسولؐ سے آگاہی اور انؐ کے دامن سے وابستگی ساغر صاحب کی نعتوں کے اجزائے ترکیبی ہیں''۔ مگر صد حیف کہ علوی صاحب نے نہایت احتیاط اور سیرت رسولؐ سے آگہی کے ساتھ'' کہے گئے جو اشعار نقل کیے ہیں وہ صدفی صدان کے دعوے کو منفی قرار دے رہے ہیں:

نور ہیں وہؐ تو بھلا کیسے ہو سایہ انؐ کا
شش جہت میں کوئی ثانی نہیں ملتا انؐ کا
سببِ کون ومکاں ذاتِ گرامی انؐ کی
قبلِ آمد بھی یہاں ہوتا تھا چرچا انؐ کا
شق القمر سے مہر پلٹنے سے یہ کھلا
ہے بوریا نشیںؐ کے تصرف میں کائنات
مجھے آرزو ہے انؐ کی، ہے خبر انہیں بھی اس کی
تو کسی کو کیوں سناؤ غمِ زیست کا فسانہ
مجھ کو بھی اپنے در پہ بلالیں کبھی حضورؐ
یہ التماس بارہا میں نے کیا تو ہے

کاش خالد علوی صاحب کو معلوم ہوتا کہ:

● قرآن پاک میں جہاں لفظ ''نور'' سے نبی کریمؐ کی ذات مراد لی گئی ہے، وہاں اس کا مطلب ''نور ہدایت''۔ اور یہ جو لوگوں نے ''خدا کے نور کا ٹکڑا یا حصہ'' یا ''نور مجسم'' یا ''نور کا پیکر'' وغیرہ کا نعرہ بلند کر رکھا ہے، یہ سب باتیں بالکل بے بنیاد اور خلافِ حقیقت ہیں۔

● ''سایہ نہ ہونا'' بھی ایک مفروضہ ہے۔ حدیث میں

آپؐ کے سایے کا بھی ذکر ملتا ہے۔

● ''سببِ تخلیقِ کون و مکاں ہونا'' بھی بے سند ہے۔

● ''شق القمر'' ایک وقتی معجزہ تھا، جو خدا کی قدرت اور اس کے حکم سے ظہور پذیر ہوا تھا۔ آپؐ کے تصرف کا اس میں ذرہ بھی دخل نہیں تھا۔

● ''کائنات پر تصرف ہونا'' یہ صرف خدا کی صفت ہے، جو کائنات کا خالق و مالک ہے۔ جو کائنات پر کسی غیر خدا کے تصرف کا عقیدہ رکھتا ہے اس کو اپنے ایمان کی خیر منانا چاہیے۔

● مہر پلٹنے (رد الشّمس) کی روایت ایک خاص نظریاتی فرقے کی خود ساختہ ہے، سچائی سے کوئی تعلق نہیں رکھتی۔

● ''آپؐ کو اپنے کسی محبّ یا کسی شاعر کے دل کی بات کی خبر ہونا'' یہ بھی غیر اسلامی خیال ہے۔

● رسول کریمؐ کسی کو اپنے در پر نہیں بلاتے، کوئی قاصد یا پیغام رساں نہیں بھیجتے، جس کو خدا توفیق دیتا اور اس کی مدد کرتا ہے وہی مدینے جاتا ہے۔

ص ۲۱ پر خداداد خاں مونس صاحب کا مضمون شروع ہوتا ہے، جس کا عنوان ہے ''سپردم بہ تو''

● اس کے شروع میں ''خواجہ رحمۃ اللہ لکھا ہے، جو غلط ہے۔ یا تو اس کو یوں لکھنا چاہیے تھا ''رحمۃ اللہ'' یا پھر ''رحمۃ اللہ علیہ'' لکھا جانا چاہیے تھا، بصورت موجودہ املا اور معنی دونوں ناقص ہیں۔

● ص ۲۳ پر ''ہر سانس پر دو شکر واجب ہونے'' کا مضمون شیخ سعدی شیرازی کی کتاب ''گلستان'' (تالیف ۶۵۶ھ) سے ماخوذ ہے۔ شیخ کا حوالہ دینا ضروری تھا۔

● ص ۲۴ پر لکھا ہے ''ابو طالب کا قصیدہ دیکھیے'' کیا مونس صاحب بتا سکیں گے کہ خود انہوں نے ابو طالب کا کونسا قصیدہ اور کہاں دیکھا ہے؟ تا کہ لوگوں کے علم میں اضافہ ہو۔ ورنہ دو تین شعروں کو قصیدہ بتانا کوئی معقول بات نہیں ہے۔

● ص ۲۵ پر ''ادب گاہی است زیر آسماں......'' مشہور شعر درج کیا ہے۔ بالغ نظر ذی علم ناقدین کے نزدیک یہ شعر اپنے معنی و محتوی کے لحاظ سے محلِ نظر ہی نہیں، مہمل کے قریب ہے۔

پھر اسی صفحے پر موصوف نے لکھا ہے ''امام صالح شرف الدین البصیری'' یہ کس چیز کے امام تھے یہ واضح نہیں، ''البصیری'' بھی غلط ہے۔ ''البوصیری'' لکھنا چاہیے تھا۔ ان کا پورا نام شیخ محمد بن سعید الدین البوصیری تھا، جو ساتویں صدی ہجری کے شاعر تھے۔

ص ۲۶ پر خواجہ صاحب کے نام سے ایک شعر نقل کیا ہے۔ خواجہ معین الدین چشتی شاعر نہیں تھے، لوگوں نے جو ایک پورا دیوان خواجہ صاحب کے نام سے چھاپ کر پھیلا رکھا ہے، وہ اب تک کی تحقیق کے مطابق ملا معین مسکین ہروی کا دیوان ہے۔

● مضمون کے بالکل اخیر میں جو شعر درج فرمایا ہے، وہ نفس مضمون سے مناسبت نہیں رکھتا۔ ص ۲۸ پر فاروق جائسی صاحب کے مضمون کی ابتدائی لائنوں میں یہی یوں لکھا ہے: حجاب صاحبہ (شاگردۂ جلال لکھنوی)۔ شاگرد فارسی لفظ ہے اور اس کے آخر میں تانیث کے لیے عربی کی علامت تانیث (ہ) لگانا درست نہیں۔ مذکر اور مؤنث دونوں کے لئے ''شاگرد'' ہی لکھا اور بولا جاتا ہے۔

● ص ۳۰ پر لکھا ہے: ''میں ان سے عمر اور مشق میں بہت چھوٹا ہوں، پھر بھی انہوں نے میری...... تحریر کو اپنی کتاب میں جگہ دی''۔ کتنے کمال کی بات ہے کہ تحریر ابھی زیر تسطیر ہے اور کتاب میں شامل بھی ہو چکی ہے۔

● ص ۳۰ پر ہی لکھا ہے کہ: ''ساغر وارثی صاحب۔ جب حمد باری تعالٰی کا ارادہ کرتے ہیں تو اس سے استعانت کی بھی دعا کرتے ہیں'' اس عبارت میں لفظ ''استعانت'' قطعاً غلط طور پر استعمال ہوا ہے، جو لکھنے والے کی علمی سطح کو نمایاں کر رہا ہے۔

یہاں مضمون نگار کو یوں لکھنا چاہیے تھا ''...... تو اس سے ''اعانت'' کی بھی دعا کرتے ہیں''۔ اعانت کی معنی ہیں ''مدد کرنا'' اور استعانت کے معنی ہیں ''مدد طلب کرنا'' تو خدا سے استعانت کی دعا کرنے کا مطلب یہ ہوگا کہ دعا کرنے والا اللہ تعالیٰ سے یہ کہہ رہا ہے کہ ''اے اللہ تو مدد مانگ''......نعوذ باللہ کیا خدا بھی کسی سے مدد مانگنے کا محتاج ہے؟؟ اس کو تو شرک سے بھی بڑا کوئی گناہ قرار دیا جانا چاہیے۔

● ص ۳۱ پر مطالعہ کو مطالع لکھا ہے، جو غلط ہے۔ ص ۳۳ پر ''عمل صالحہ'' لکھا ہے، یہ بھی غلط ہے۔ ''عمل'' مذکر ہے اور ''صالحہ'' مونث ہے۔ مذکر کی صفت مؤنث درست نہیں، عمل صالح لکھنا چاہیے تھا۔

● ص ۱۳ پر ہی ''......الفاظ اکثر ناگزیر ہوجاتا ہے'' ''الفاظ'' جمع ہے اس کے لئے فعل واحد لایا گیا ہے، جو غلط ہے۔

● ص ۳۴ پر تحریر فرمایا گیا ہے کہ: ''ان کے یہاں ان مضامین کو نظم نہیں کیا جاتا ہے جن کو قرآن و حدیث سے ثابت نہ کیا جا سکے''۔ حالانکہ اس کتاب میں بے شمار ایسے اشعار ہیں جن کا مضمون صریحاً قرآن و حدیث کے خلاف ہے اسی ص ۳۴ پر پھر وہی غلطی دہرائی گئی ہے کہ ''اعانت'' کی جگہ ''استعانت'' لکھا گیا ہے۔ (اعاذنا اللہ منہ)

ص ۳۹ پر مرتب کتاب نے لکھا ہے کہ:

● ''نعت شریف کہنے کو تلوار کی دھار سے عبارت کیا جاتا ہے۔ یہ قول صحیح بھی ہے، مگر قرآن حکیم میں باری تعالیٰ فرماتا ہے کہ نماز بلاشبہ ایک مشکل ترین عمل ہے، مگر ان لوگوں کے لئے بہت آسان ہے جن کے دلوں میں میری عظمت اور خوف موجود ہے۔''

اس عبارت میں قرآن پاک کی جس آیت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے وہ یہ ہے:

"واستعینوا بالصبر والصلوۃ، وانها لکبیرۃ الا علی الخاشعین۔" یہ سورۂ بقرہ کی آیت: ۴۵ ہے۔ اس کا ترجمہ فاضل بریلوی نے یوں کیا ہے:

''اور نماز اور صبر سے مدد چاہو اور بے شک نماز بھاری ہے مگر ان پر نہیں جو دل سے میری طرف جھکتے ہیں'' (کنز الایمان، فرید بک ڈپو، دہلی، ص ۱۱) اس میں ''مشکل ترین کا مفہوم کہیں نہیں ہے جو مضمون نگار نے اخذ کیا ہے۔

● ص ۴۱ پر ہے: ''سب سے بڑی بات یہ ہے کہ وہ نعت کی دشوار گذار وادی سے ثابت قدم لوٹے ہیں، کہیں ان کے پائے ثبات کو لغزش نہیں ہوئی''۔

یہ بیان بھی خلاف حقیقت ہے۔ ''نغمہ و نور'' میں شاید ہی کوئی نعت ایسی شامل ہو جس کے تمام اشعار قرآن و شریعت کے مفاہیم سے مطابقت رکھتے ہوں۔

....

گذشتہ سطور میں نعت شناسوں اور تحسین نگاروں کے تعلق سے چند باتیں عرض کی گئیں۔ اوراق آئندہ میں نفس کتاب ر ایک نظر ڈالی جا رہی ہے:

متن کتاب کا آغاز ۲۵ شعروں پر مشتمل حمد سے ہوتا ہے۔ جس کا مطلع یہ ہے:

تری حمد کرتا ہوں باری تعالیٰ
عطا کر مجھے نو بیاں کا سلیقہ

یہ ایک صاف و شگفتہ نظم ہے، جس میں خدائے پاک کی صفتوں، صنعتوں، نعمتوں، نوازشوں اور اس کی قدرت کے کرشموں کا ذکر نہایت سادگی کے ساتھ کیا گیا ہے۔ پوری حمد سلیس اور رواں ہے۔ آخری اشعار میں مناجات کا رنگ بھی آ گیا ہے اور شاعر نے اپنی اس آرزو کا بھی اظہار کیا ہے کہ کاش پوری دنیا کے تمام انسان توحید و رسالت پر ایمان لے آئیں۔

ص۴۴ پر:

اناج و عسل ہو کہ دودھ اور پھل ہو
غذا کے لیے تونے کیا کچھ بنایا

پہلے مصرع میں لفظ اناج ہندی ہے اور عسل عربی ہے، ان دونوں کے بیچ میں واوعطف کا استعمال فصحا کے ہاں رائج نہیں ہے۔علاوہ ازیں مصرع میں دوجگہ ''ہو'' آیا ہے، یہاں دونوں جگہ ''ہوں'' ہونا چاہیے تھا۔

ص۴۵ پر:

تہی جانے کیا تیری حکمت تھی اس میں
بنائی یہ دنیا، بشر کو بنایا

یہاں ''تہی'' کی جگہ ''تو ہی'' لکھنا چاہیے تھا، گو کہ تلفظ وتقطیع میں اس کے واو کا اظہار ضروری نہیں ہے۔علاوہ ازیں، ''تہی'' ایک دوسرا لفظ بھی ہے جس کے معنی ہیں ''خالی'' اور اتفاق سے اس کا تلفظ بھی ت کے پیش کے ساتھ ہی صحیح ہے۔لہذا اس فرق کو برقرار رکھنے کے لیے بھی ضمیر حاضر کو تو ہی لکھنا ضروری ہے۔

ص۴۷ پر پانچواں شعر یو لکھا جاتا تو بہتر تھا:

جب آخری نبیؐ پر قرآن اتارا تو نے، آئین پہلے سب ہی منسوخ کردے ہیں۔
اگلوں کی امتوں کو دی ہے جزا، سزا کیا، قرآن مین مفصل یہ بھی بتادیا ہے

اصل شعر میں ''کو'' کا استعمال زیادہ اچھے طریقے پر نہیں ہوا ہے۔اسی طرح زبان کی نزاکت کے پیش نظر خدا کے لیے یہ لکھنا بھی درست معلوم نہیں ہوتا کہ: ''تو نے کھول کر بتادیا ہے''۔

ص۴۸ پر:

سنا کرتا ہوں یارب میں ترانہ تیری وحدت کا
نظر آتا ہے منظر چارسو تیری ہی عظمت کا

یہ پوری حمد مرصع اور فصاحتِ زبان کے ساتھ ساتھ شاعر کے سوز و دروں کی بھی آئینہ دار ہے۔

صص ۴۹ پر: ۷ شعروں کی حمد میں ۵ شعروں میں خدا کے لئے مخاطب کے صیغے استعمال کیے گیے ہیں اور دو میں غائب کے صیغے لائے گیے ہیں۔ان دونوں شعروں میں بھی حاضر کی ضمیریں استعمال کرکے یوں لکھا جاسکتا تھا:

نامۂ اعمال ہی پر تو کرے گا فیصلہ
وہ بہار خلد ہو یا ہو جہنم کا عذاب
ذکر کس کس کا کرے ساغر تو خالق سب کا ہے
کیا یہ تارے، کیا یہ جگنو، کیا یہ مہر و ماہتاب

ص۵۰ پر: آٹھ اشعار کی حمد میں خدا کی قدرت کا مؤثر انداز میں بیان ہوا ہے۔

ص۵۱ پر: ''شان قدرت'' کے عنوان سے ''گھمنڈ'' کی ردیف میں جو (۶) شعر ہیں وہ حمد و مناجات کی تعریف میں نہیں آئے۔ان کو ایک خداترس شاعر کی غزل کہا جاسکتا ہے۔ (حمد، نعت، غزل سب الگ الگ چیزیں ہیں۔)

ص۵۲-۵۳ پر: ایک نو شعروں کی غزل نما نظم ہے، جس میں بس ایک یا دو شعر ہی حمد و مناجات کے ہیں، اس کی ردیف ''سنکٹ'' ہے۔یہ ردیف اور اس نظم کے اشعار کی زبان بھی اردو سے زیادہ ہندی میں چھپنے قابل ہے۔

ص۵۴-۵۸ پر: دوہے کے وزن پر چار عدد حمدیں ہیں۔ ان میں سے پہلی حمد کی ردیف ہے اللہ ھو سبحان'' ہے اس میں مطلع سے مقطع تک ہر شعر میں لفظ ''اللہ'' کی ''ہ'' وزن سے خارج ہے۔یہ رمضان شریف کی راتوں میں پھیری لگا کر گانے والے فقیروں یا پارٹیوں کے انداز کی نقل ہے۔اہل علم وفن کے لئے یہ انداز قطعاً مناسب نہیں ہے۔

ص۵۶ پر: ''آب و آتش و باد و گل'' لکھا ہے۔یہاں ''گل'' کی جگہ ''خاک'' لکھنا زیادہ صحیح ہوتا۔

ص۵۷ پر: ''بے گنتی ہر قسم کی تیری تخلیقات''
یہاں ''تخلیقات کی جگہ پر ''مخلوقات'' لکھنا چاہیے تھا۔
ص۵۸ پر بھی ''تو ہی'' کی جگہ ''تہی'' لکھا ہے، جو اہل علم کے طریقے کے خلاف ہے۔

....

کتاب کے صفحہ ۵۹ سے نعتوں کا سلسلہ شروع ہوتا ہے۔ مختلف اوقات میں لکھے گئے اپنے متعدد مضامین کے توسط سے میں اس بات کی وضاحت کر چکا ہوں کہ نعت گوئی کا معاملہ بہت ہی نازک ہے۔ اتنا نازک کہ اچھے اچھے باعلم وشعور شاعروں کے عقل وادراک بھی اس کا پورالحاظ رکھنے میں ناکام رہے ہیں۔ فارسی کا مشہور شاعر'عرفی شیرازی' جس کی ذہانت اور ادراک میں شک نہیں کیا جا سکتا اور جس کے دوشعروں کو نعتیہ شاعری کے ناقدین ومحققین سینکڑوں بار اپنی تحریروں میں نقل کر چکے ہیں، جن میں اس نے نعت گوئی کو تلوار کی دھار پر چلنے سے تشبیہ دی ہے۔ جب وہی عرفی خود قلم رو نعت میں گرم رفتاری کی کوشش کرتا ہے تو خود اس کے پائے سخن بھی لہولہان ہونے سے محفوظ نہیں رہتے۔

گذشتہ چالیس پینتالیس برسوں میں اردو نعتوں کے بے شمار مجموعے راقم الحروف کی نظر سے گزر چکے ہیں اور گزر رہے ہیں، مگر افسوس ہے کہ آج تک ایک بھی ایسا مجموعہ دیکھنے کو نہیں ملا، جس میں واقعاً کامل طور پر حدود شریعت کا لحاظ رکھا گیا ہو۔ پہلے والوں نے جو روایتیں قائم کر دیں اور جو ماڈل بنا دیا ہے، بعد والے بھی اپنے احتیاط اور پابندی شرع کے دعاوی کے باوجود، عملاً ان روایات اور اس ماڈل سے انحراف نہ کر سکے، اور تقلید خطائے بزرگاں سے دامن بچانے کے لیے آمادہ نہیں نظر آتے، یا پھر ان کا قلم ان کے محتاط ذہن وضمیر کا ساتھ دینے کی صلاحیت سے محروم ہے۔

...... ہر صفحے پر پچ رنگی حسین ڈیزائن دار بیل کے ساتھ چھپی ہوئی کتاب ''نغمہ ونور'' کی ورق گردانی اور سواد خوانی بھی راقم نے بڑی خوش گمانی کے ساتھ کی تھی، مگر تحسین وتقریظ نگاروں کی تحریروں سے بھی مایوسی کے سوا کچھ ہاتھ نہ لگا۔ متن کتاب کے حصۂ حمد پر اظہار خیال کر چکا ہوں۔ سطور آئندہ میں نعتوں کا مطالعہ کیا جا رہا ہے:

(I)

زیر نظر کتاب کے ص۱۳۲ پر ایک نعت کا مقطع ہے:

جذبۂ حمد وثنا کی بھی حدیں ہیں ساغر
ذہن میں رتبۂ توحید ورسالت رکھیے

اس شعر میں شاعر نے بالکل سچی بات کہی، مگر خود اپنی نعتوں میں بے شمار مقامات پر توحید ورسالت کے امتیاز کو کس طرح نظر انداز کیا ہے اور الوہیت ونبوت کے خصائص وصفات کو کس طرح خلط ملط کیا ہے وہ قابلِ ملاحظہ ہے:

دل سے سرکار کو جس وقت پکارے گا کوئی
بالیقین ڈوبتی کشتی کو ابھارے گا کوئی (ص۵۹)
خود ہی آغوش میں لے لے گی خدا کی رحمت
جب شہِ دیں کو عقیدت سے پکارے گا کوئی (ص۵۹)

....

جس نے سرورِ دیں سے اپنی لو لگائی ہے
اس نے رحمت حق سے ہر مراد پائی ہے (ص۱۲۱)

تینوں شعر زبان وطرز اظہار کے لحاظ سے عمدہ سہی، مگر صحیح اسلامی عقیدے کے خلاف ہیں۔ جب کوئی پریشانی یا مصیبت آئے تو صرف خدا کو پکارنا چاہیے۔ خدا کے سوا کسی اور کو مشکل کشائی کے لیے پکارنا شرک کی تعریف میں آتا ہے۔ خدا کے سوا کسی میں یہ قدرت نہیں ہے کہ وہ کہیں سے بھی کسی کی پکار کو سن لے اور مدد کو آ جائے اور اس کی ڈوبتی کشتی کو ابھار کر پار اتار دے۔

نبی کریم ﷺ کو بھی یہ اختیار وقدرت حاصل نہیں ہے۔ خدا کے سوا کسی اور سے لولگانا بھی غیر اسلامی تصور ہے۔ خود حبیب خدا ﷺ نے اپنی احادیث میں یہ تعلیم دی ہے کہ صرف خدا ہی سے لولگاؤ اور معمولی سے معمولی پریشانی میں بھی صرف اسی کو پکارو۔

(II)

عبث حریفوں میں تذکرے ہیں رسولِ اکرمؐ کی آگہی کے
کہ ہیں ازل ہی سے رازدارِ رموزِ فطرت ہمارے آقا (ص ۶۰)

....

بزمِ امکاں کو سجانے کے لیے آپؐ آئے
کن کا مفہوم بتانے کے لئے آپؐ آئے (ص ۶۴)

کونین کے ہر راز سے واقف تھیں نگاہیں
کیا ہو سکے اندازۂ عرفانِ محمدؐ (ص ۶۹)

مجھے آرزو ہے ان کی، ہے خبر انھیں بھی اس کی
تو کسی کو کیوں سناؤں غم زیست کا فسانہ (ص ۷۴)

ربِّ واحد نے انہیں معراج میں
سرِّ وحدت کا بنایا راز دار (ص ۸۱)

دانا اور بینا ہیں بے شک رحمۃ للعالمینؐ
ان کو چل جاتا ہے سب کے قلبِ مضطر کا پتا (ص ۸۳)

جلوۂ رب کے مشاہد وحدت کے امین
ماورائے اہلِ دانش کی رفعت، ان کی شان (ص ۸۴)

تمام سرِ نہاں شاہ دیں پہ کھلتے ہیں
کہاں، کہاں پہ ہوا، وحی کا نزول نہیں (ص ۹۲)

جلیل القدر پیغمبر تو ہیں سا غر سبھی لیکن
حبیبِ حق کو ہی بس علم رمزِ کن فکاں کا ہے (ص ۱۱۷)

آپؐ کا روز ازل سے رموز فطرت کا راز دار ہونا، کن کا مفہوم بتانے کے لیے تشریف لانا، کونین کے ہر راز سے آپؐ کی نگاہوں کا واقف ہونا، کسی کے دل آرزو کی آپؐ کو خبر ہونا، سر وحدت کا راز دار بنایا جانا، سب کے قلب مضطر کا حال معلوم ہوجانا، آپؐ پر تمام اسرار نہاں کا کھل جانا، رمز کن فکاں کا علم ہونا...... ان سب باتوں کا قرآن اور احادیث صحیحہ سے کوئی ثبوت نہیں ملتا، ایسی باتیں قرآن وسنت کے علم وفہم سے محروم یا تصوف اور فلسفے کے کے فریب خوردہ لوگ کہہ سکتے ہیں......

تمام انبیاء علیہم السلام کو بشیر ونذیر بنا کر انسانوں کی ہدایت اور ان کو راہِ راست دکھانے کے لیے بھیجا گیا تھا۔ کن کا مفہوم بتانے کے لیے بھیجے جانے کا پورے قرآن میں کہیں بھی اشارۃ بھی کوئی ذکر نہیں ہے، نہ صحیح احادیث میں اس کا کوئی تذکرہ ہے۔ سیرت مطہرہ کا تفصیلی مطالعہ بھی ان بے بنیاد باتوں کی تردید کرتا ہے۔ ہاں بطور معجزہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیوں کے ذریعے سے کچھ ایسی باتوں کا علم لوگوں تک پہنچایا تھا، جن کو عام انسان نہیں جانتے تھے۔ اپنے سب راز اللہ تعالیٰ نے (بشمول خاتم النبیینؐ) کسی کو بھی نہیں بتائے۔ کسی نبی کو لووگوں کے قلب مضطر کا حال جاننے کی صفت نہیں بخشی گئی، نہ سر وحدت کا راز دار بنایا گیا۔ بلکہ سب کو توحید کی دعوت وتبلیغ پر مامور کیا گیا تھا۔ منقولہ بالا اشعار میں جن خیالات کا اظہار کیا گیا ہے وہ سب غیر اسلامی اور شرک فی صفات اللہ کے دائرے میں آتے ہیں۔

(III)

کوثر کے بھی مختار ہیں جنت کے بھی مختار
کیا شان ہے اے صل علی شانِ محمدؐ (۶۹)

اس توکل اور قناعت کی نہیں ملتی مثال
باندھے پتھر پیٹ پر، مختارِ کل ہوتے ہوئے (۶۹)

دونوں عالم کی حکومت انہیں رب نے بخشی
درس آموز ہوئے خشک نوالے ان کے (۷۲)

ہے سب ان کی دسترس میں کہ ہیں دو جہاں کے مالک
مگر آپ نے گزارے سبھی دن قلندرانہ (۷۴)

لا ریب ہے یہ منزلت وقدر کی دلیل
اللہ کی ملکیت پہ حکومت رسولؐ کی (۷۹)
معجزے محبوب رب کے ہیں دلیل اختیار
مہر لوٹ آیا، ہوا ٹکڑے قمر اچھا لگا (ص۸۹)
اشارے کی طاعت فلک پر بھی لازم
قمر شق ہے خورشید کی واپسی ہے (ص۸۷)
یہ شرف بخشا ہے رب نے خلد کے مختار ہیں
قاسم تسنیم وکوثر بھی مرے سرکار ہیں (ص۸۹)
شق القمر سے، مہر پلٹنے سے یہ کھلا
ہے بوریا نشیں کے تصرف میں کائنات (ص۹۱)
انھیں اختیارات رب نے دیے ہیں
انہیں کو ہمیشہ فضیلت رہے گی (ص۹۴)
اللہ نے سب نبیوں کا سردار بنایا
ہر شے کا انہیں مالک ومختار بنایا (ص۹۵)
منافقوں کو بتا دو کہ رب کی مرضی سے
یہ چاندتارے بھی ان کے اثر میں رہتے ہیں (ص۱۱۰)
وہ قاسم نعمت رب کے ہیں، ان کی شان کیا کہنا
تصرف ان کے ہاتھوں میں زمیں کا آسماں کا ہے (ص۱۱۷)
بادشاہ کن فکاں، وجہ تخلیق جہاں
باعث ارض وسما، مالک ہر دوسرا (ص۱۴۳)

جنت کا مالک ہونا، مختار کل ہونا، دونوں عالم کی حکومت بخشد یا جانا، دونوں جہاں کا مالک ہونا، سب کچھ آپ کی دسترس میں (قبضہ وقدرت) میں ہونا، اللہ کی ملکیت پر رسولؐ کی حکومت ہونا، معجزوں کا دلیل اختیار ہونا، فلک پر آپؐ کے اشارے کی اطاعت کا لازم ہونا، خلد کا مختار ہونا، بوریا نشیں کے تصرف میں کائنات ہونا، سارے اختیارات کا عطا کیا جانا، ہر شے کا مالک ومختار بنایا جانا، زمین وزمان کا تصرف آپؐ کے ہاتھوں میں ہونا، چاندتاروں کا ان کے اثر میں رہنا، بادشاہ کن فکاں ہونا، مالک ہر دوسرا ہونا...... ان سب باتوں کو آپؐ کی ذات سے وابستہ کرنا۔ شرکیہ خیالات وتصورات کا کرشمہ ہی ہوسکتا ہے۔ ورنہ نبی کریم ﷺ کی سیرت کا ثبوت دیا ہے۔ اور قرآن پاک کے معروضی مطالعے سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ آپؐ کی خاص صفت اور آپؐ کا اہم ترین وصف ''عبدیت'' ہی ہے۔ شاعر نے جو اوصاف آپؐ کی ذات سے وابستہ کیے ہیں وہ سب قرآن کی تصریحات کے خلاف ہیں......قرآن پاک کے واضح بیانات کے مطابق ہر چیز کا مالک ومختار اور متصرف اللہ اور صرف اللہ ہے۔ اس نے اپنا مالک ہرگز ہرگز کسی دوسرے کے قبضہ وتصرف اور حاکمیت میں نہیں دیا ہے، وہ کسی کے حق میں بھی اپنی حاکمیت اور خدائی سے دست بردار نہیں ہوا ہے۔ کائنات کا ایک ذرہ بھی اس کے حکم کے بغیر جنبش نہیں کرسکتا، کسی نبی یا ولی کا اس کی خدائی میں کوئی اشتراک واختیار نہیں ہے۔ اگر نبی کریمؐ کو کچھ اختیار حاصل ہوتا تو سب سے پہلے ابوجہل اور ابوطالب کو مسلمان بناتے......صحیح العقیدہ لوگوں کو منافق کہنے والا شاعر خود شرکیہ تخیلات وتصورات کی دلدل میں پھنسا ہوا ہے۔ اور یہ کتنا بڑا ظلم ہے کہ ایک غلط نظریے اور بے بنیاد عقیدے کی تبلیغ کے لیے اللہ تعالیٰ پر بھی یہ تہمت باندھی جارہی ہے کہ اس نے اپنی مرضی سے اپنے اختیارات وتصرفات کسی دوسرے کو سونپ دیے ہیں! (نعوذباللہ)

☆☆☆

تعارف و تبصرہ

ڈاکٹر محمد طارق ایوبی ندوی

نام کتاب: حدائق الریحان منظوم اردو ترجمانی منتخب قصائد حسان

صفحات: ۶۴

شاعر: ڈاکٹر رئیس احمد نعمانی

ناشر: گوشۂ مطالعات فارسی، علی گڑھ۔

ملنے کے پتے: مکتبہ جامعہ/ایجوکیشنل بک ہاؤس، شمشاد مارکیٹ، علی گڑھ

زیر نظر کتاب ڈاکٹر رئیس احمد نعمانی کی شفاف فکر کی آئینہ دار ہے، فن کا جادو اس منظوم ترجمانی میں سر چڑھ کر بول رہا ہے، ایسا کیوں نہ ہو کہ انہوں نے اس کوچہ میں ایک عمر گزاری ہے اور اسی فن کی آبیاری میں جگر خون کیا ہے، بجا کیا ہے انہوں نے ـ

ہم سخن حضرت حسان کا ہوں اب میں رئیس
کچھ تعلق تھا کبھی حافظ و خیام کے ساتھ

اس میں شک نہیں کہ انہوں نے اپنی شاعری کے دور اول میں گیسوئے غزل خوب سنوارا ہے، مگر پھر جب نعت گوئی کی سعادت نصیب ہوئی تو پے در پے کئی نعتیہ مجموعے منظر عام پر آئے، ان کا کمال یہ ہے کہ نعت گوئی میں وہ وحدانیت و رسالت کے مابین اس باریک فرق کو ہر وقت ملحوظ رکھنے میں بہت کامیاب رہے ہیں جس کو باقی رکھنے والے بہت سے صحیح الفکر شعراء سے بھی لغزشیں ہو ہی جایا کرتی ہیں، اس نکتہ پر گفتگو کرتے ہوئے ان کی تنقیدیں ذرا تلخ بھی ہو جایا کرتی ہیں مگر موضوع کے تقاضہ کو ملحوظ رکھتے ہوئے اس تلخی کو برداشت کیا جانا چاہیے، نعت گوئی میں فکر کی صحت و سلامتی کو برتنے اور عقائد صحیحہ کی ترجمانی کرنے میں ان کا دعویٰ بجا ہے جو انہوں نے مذکورہ بالا شعر میں پیش کیا ہے، ساتھ ہی اپنے شعری سفر کے ادوار کی طرف بھی اشارہ کر دیا ہے، یہیں سے یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ عقیدت کے بھی مدود متعین ہیں، محض عقیدت کے بل پر جب امام الانبیا سید المرسلین اور بعد از خدا سب سے بزرگ و برتر ذات گرامی کی مدح سرائی نہیں کی جا سکتی تو پھر دیگر شخصیات کی مدح و توصیف میں حد سے زیادہ غلو اور مبالغہ آرائی کی گنجائش کہاں اور کیوں کر جائز ہو سکتی ہے؟؟ نعمانی صاحب کی نثر ہو یا نظم، وہ با مقصد ہوتی ہے، زیر نظر رسالہ بھی ایک پاکیزہ اور اعلیٰ مقصد کی خاطر محضر وجود میں وارد ہوا ہے، وہ حضرت حسانؓ کے نعتیہ قصائد کی ترجمانی کے ذریعہ لوگوں کو آئینہ دکھانا چاہتے ہیں کہ دربار رسالت کے شاعر رسول نے کس سادگی اور احتیاط کے ساتھ نعت گوئی کے بہترین و اولین اور انمٹ نقوش چھوڑے ہیں، نعمانی صاحب کی یہ کاوش قابل قدر و لائق ستائش ہے، دو شعر دیکھیے، کیسی خوبصورت ترجمانی کی ہے:

أغر علیه للنبوة خاتم
من الله مشهود ویلوح ویشیهد
وہ جامعِ اوصاف نبی جن کے کتف پر
تابندہ و درخشندہ ہے وہ مہر نبوت
دی خالق کونین نے خود جس کی گواہی
دنیا کی نگاہوں نے بھی دی جس کی شہادت
وضم الا له اسم النبی مع اسمه
اذ قال الموذن فی الخمس أشهد
پیوست کیا نام سے اللہ نے اپنے

یوں نام دل آویز و حسین اپنے نبی کا
دیتا ہے رسالت کی گواہی بھی موذن
پنج وقتہ بجاتا ہے جو توحید کا ڈنکا

نعمانی صاحب کی یہ خوبی ہے کہ ضروری چیزوں کی اپنے مقدمہ میں وضاحت کردیتے ہیں، اسی طرح ان کے حواشی بھی بہت علمی اور تشریحی ہوتے ہیں، وہ فارسی و اردو کے قادر الکلام، پختہ گو اور کہنہ مشق و مشاق شاعر ہیں، ان کی دور آخر کی تمام تر شاعری تقریبا نعتیہ صنف سخن پر مشتمل ہے اور یوں کہیے کہ ایک خاص زاویہ کو پیش نظر رکھتے ہوئے انہوں نے نعت کی خدمت کی ہے، زیر نظر رسالہ نعمانی صاحب کی عربی سے وابستگی بلکہ عربی فہمی کا پختہ ثبوت ہے، عربی زبان کا دامن بہت وسیع ہے، اس کو دوسری زبان میں منتقل کرنے میں پسینے چھوٹ جاتے ہیں، اپنی زبان کی تنگ دامانی کا شکوہ دامن گیر ہوجاتا ہے مگر نعمانی صاحب نے شاعر رسول کے ٦ قصائد کے منتخب اشعار کی خوب ترجمانی کی ہے، قارئین اگر اسے ہاتھوں ہاتھ لیں اور داد و تحسین کی بارشیں کریں تو اس میں تعجب کیا، نعمانی صاحب کی یہ شعری کاوش ادب اسلامی کے خزانہ میں گرانقدر اور قیمتی اضافہ ہے، یوں بھی ان کی نعتیہ شاعری کے بغیر عہد حاضر میں ادب اسلامی کی تاریخ نامکمل رہتی ہے۔

☆☆☆

مسلمانوں کا ملی وجود اسی پر منحصر ہے

''ہم خدا اور اس کے بندوں اور اپنی آئندہ نسلوں کے سامنے جواب دہ ہیں۔ ہم اپنی جدو جہد میں پورے طور پر کامیاب ہوجائیں اور نصاب تعلیم حقیقی معنی میں غیر مذہبی وسیکولر ہوجائے پھر بھی ہمیں اپنے بچوں کی دینی تعلیم اور اخلاقی تربیت کا انتظام کرنا ہوگا۔ مسلمانوں کا ملی وجود اسی پر منحصر ہے کہ ان کی ہر نسل نہ صرف صحیح العقیدہ بلکہ راسخ العقیدہ ہو۔ اس کی فکر صحیح، اس کا شعور بیدار، اس کے اخلاق صالح اور اس کا عمل مکمل ہو، اس میں خیر امت بننے کی صلاحیت ہو۔''

(حضرت مولانا علی میاںؒ)

آخری صفحہ

یہ احساس کس قدر گمراہ ہے! -توبہ

ابوبکر شیبہ نے اپنی کتاب "مصنف" میں لکھا ہے کہ ایک شخص مدینہ منورہ میں روضۂ رسول ﷺ کے قریب کھڑا کچھ عرض ومعروض کر رہا تھا حضرت زین العابدین ابن حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے ایسے کرنے سے اسے منع فرمایا اور کہا کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے لا تتخذوا قبری وثنا میری قبر کو "بت" نہ بنانا۔ ایک موقع پر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ ایک شخص نماز عید سے قبل عیدگاہ میں نماز پڑھ رہا ہے حضرت علیؓ نے فوراً اسے ٹوکا۔ اس شخص نے جواب دیا کہ نماز کوئی گناہ کی بات نہیں ہے، جس کی وجہ سے مجھ پر عذاب ہوگا حضرت علیؓ نے فرمایا:

إن اللــه لا يثبت علی فعلٍ حتی يفعله رسول الله ﷺ أو يحث عليه فتكون صلواتك عبثاً والعبث حرام فلعله تعالیٰ يعذبك بمخالفتك لنبيه۔ (جب تک کسی کام کا ثبوت رسولؐ کے قول وفعل سے نہ ملے اللہ تعالیٰ اس پر ثواب نہیں دیتا تیری نماز (اس لئے) ایک بے معنی اور عبث کام ہوگا اور عبث کام کا کرنا حرام ہے۔ کیا عجب ہے کہ پروردگار عالم اپنے نبی کی مخالفت کرنے کی وجہ سے اس نماز کے سبب تجھے عذاب دے۔)

دین میں "نئی بات" نکالنا کوئی معمولی برائی اور ہلکی خرابی نہیں ہے۔ "بدعت" اس بات کی دلیل ہے کہ خاکم بدہن گستاخ رسول اللہ ﷺ نے یا تو اس بات کے بتانے سے بخل کیا یا آپؐ نے خیانت فرمائی۔ "بدعت" پر شدید وعید اس لئے آئی ہے کہ "بدعت" سے یہ احساس ابھرتا ہے کہ اللہ اور رسول سے کچھ ایسی باتیں بیان کرنے سے رہ گئیں جن کے کرنے سے آخرت میں بڑا ثواب حاصل ہوگا اور روحانیت میں ترقی ہوگی یہ احساس کس قدر گمراہ ہے! -توبہ

صحابۂ کرام ان معاملات میں اس قدر احتیاط برتتے تھے کہ ایک شخص نے اپنے کسی عزیز بچہ کے ختنہ پر کچھ لوگوں کو بلایا اس پر صحابہؓ نے اعتراض کیا کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں ختنہ کے لئے نہ کوئی اعلان ہوتا اور نہ لوگوں کو اکھٹا کیا جاتا تھا۔

"بدعات" پر ہر زمانہ میں نکیر کی گئی ہے متقدمین کی کتابوں میں تو اہل بدعت سے میل جول رکھنے تک کو ناپسند کیا گیا ہے اور وہ اس لئے کہ ان کی صحت میں رہ کر "بدعات" کو دیکھتے دیکھتے ان کی "نفرت" دل سے یا تو جاتی رہتی ہے یا کم ہوجاتی ہے۔ ایمان واسلام کا تقاضہ ہے کہ بدعت وشرک اور منکرات کو دیکھ کر دل میں جھنجلاہٹ اور نفرت پیدا ہو، اس احساسِ غیرت کا باقی رہنا زندہ اور فعال رہنا ضروری ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے تو "اہل بدعت" کی تعظیم وتوقیر کی ان لفظوں میں ممانعت فرمائی ہے کہ جس شخص نے کسی صاحب بدعت "بدعتی" کی تعظیم وتوقیر کی وہ دراصل اسلام کی عمارت ڈھانے میں مددگار رہا۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو بدعت جیسے سنگین اور شنیع گناہ سے بچائے اور راہ مستقیم پر چلنے کی توفیق بخشے۔ کیوں کہ بدعت کوئی ہلکی اور معمولی برائی نہیں ہے بلکہ یہ تو اپنی فطرت اور مزاج سے ضلالت ہی ضلالت ہے۔

(م۔ق۔ن) ☆☆☆

(......بقیہ صفحہ نمبر ۲۴ کا......)

......اور تجاویز منظور کرتی ہیں، مثال کے طور پر نشہ کی حالت میں طلاق کے وقوع یا عدم وقوع کا مسئلہ ہے۔

قدیم فقہاء احناف نے حالت نشہ کی طلاق کو واقع مانا ہے، تا کہ مرد کو تنبیہ ہو اور نشہ کرنے سے باز رہے، لیکن جب صورت حال بدل گئی اور بجائے مرد کے عورت کو سزا ملنے لگی تو اس مسئلہ پر از سر نو غور وخوض کی ضرورت محسوس کی گئی، لہذا اسلامک فقہ اکیڈمی نے اس موضوع پر سیمینار کیا، اور اکثر شرکاء نے نشہ کی اس حالت طلاق کو واقع نہیں مانا، جس میں نشہ شدید طاری ہو گیا ہو، اور ہوش وحواس برقرار نہ رہا ہو، بلکہ بالکلیہ ہوش وحواس کھو بیٹھا ہو۔ (نئے مسائل اور فقہ اکیڈمی کے فیصلے ص ۱۱۸/۱۱۹، ملاحظہ ہو)

علامہ مصطفیٰ الزرقاء نے لکھا ہے:

"کبھی زمانہ میں تبدیلی، اجتہادی فقہی احکام کی تبدیلی کا سبب ہوتی ہے، یعنی یہ تبدیلی اخلاق میں بگاڑ، ورع وتقوی کا فقدان اور شعبۂ احتساب کے کمزور پڑ جانے کی وجہ سے جسے فسادِ زمانہ کہا جاتا ہے، یا کبھی یہ تبدیلی تنظیمی صورت حال، ضروریات زندگی کے نئے وسائل، قانونی مصالح کے معاملات، انتظامی درجہ بندی، اقتصادی مسائل وغیرہ کے پیدا ہونے کی وجہ سے ہوتی ہے، شیخ نے ان دونوں نوعیت کی تبدیلی کی متعدد مثالیں دی ہیں۔

خلاصۂ کلام یہ کہ حالات کی تبدیلی سے غیر منصوص احکام تبدیل ہوجاتے ہیں، فتوی وفقہ سے اشتغال رکھنے والے حضرات کو اس پر نگاہ رکھنی چاہیے اور بے جا تصلب وتشدد سے اجتناب کرنا چاہیے۔

☆☆☆

جامعۃ البنات حیدرآباد
JAMIATUL BANATH HYDERABAD

شعبہ حفظ
عالمیت فضیلت

لڑکیوں کا اعلی ومعیاری دینی ۲۸ سالہ قدیم جامعہ

شہر کے اہم مقامات سے بسوں کی سہولت

دینی تعلیم کے علاوہ انگریزی وکمپوٹر بھی سکھایا جاتا ہے۔ جس کے لئے خاص کمپیوٹر لیب پوری ضرورتوں سے آراستہ ہے۔
عثمانیہ یونیورسٹی (اورینٹل لینگویجس) کے ذریعہ میٹرک، انٹر، بی اے کے امتحانات بھی دلوائے جاتے ہیں۔
ایک سالہ اسلامک ڈپلومہ (کالج کی طالبات کے لئے) شعبۂ تربیت۔ دبلوم العالی فی علوم الشرعیہ۔
(فارغات دینی مدارس کے لئے ایک نادر موقع)

والدین سے گزارش ہے کہ اپنی لڑکیوں کی بہترین تعلیم وتربیت کے لئے اس جامعہ میں داخلہ دلوائیں۔

نوٹ: (۱) اضلاع کے طالبات کے لئے جامعہ میں معیاری ہاسٹل کی سہولت ہے۔ (۲) شہر میں اس جامعہ کی اور کوئی شاخ نہیں ہے۔

صاحب خیر حضرات جو جامعہ کا تعاون کرنا چاہتے ہیں ہمارے بینک اکاونٹ نمبرس:
JAMIATUL BANATH HYDERABAD
Ac/No. 05110011021119. (Andhra Bank)
Ac/No. 19380100018623 (Bank of Baroda)

پتہ: جیون یار جنگ کالونی، روبرو مدینہ میڈیکل ہال، VIP اسکول کی گلی، سعید آباد، حیدرآباد۔
رابطہ نمبر: 7032101979,9848431304,(040)24553534
Website:www.jamiatulbanath.org